حمد و نعت

www.ilmkidunya.com

سیّد صبیح الدین رحمانی
(پیدائش ۱۹۶۵ء)

سیّد صبیح الدین رحمانی ۲۷ جون ۱۹۶۵ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا و اجداد کا تعلق حیدر آباد دکن کے سادات گھرانے سے تھا۔ ان کے والد سیّد اسحاق الدین نے جامعہ کراچی میں ملازمت کی اور اسسٹنٹ کنٹرولر امتحانات کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

سیّد صبیح رحمانی نعتیہ ادب کے تحقیقی، تنقیدی اور علمی جریدے ''نعت رنگ'' کے مدیر اور نعت کی تحقیق کے لیے قائم کیے گئے ادارے ''نعت ریسرچ سینٹر'' کے بانی و سیکریٹری اور مرزا غالب کی حیات و فن پر تحقیق کے لیے قائم کیے گئے ادارے ''ادارۂ یادگارِ غالب'' کے صدر رہیں۔

ان کی نعتیہ شاعری سے شغف کا سبب گھریلو ماحول اور عشقِ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا جذبہ اور سیرتِ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے گہری وابستگی ہے۔ انھوں نے نعت خوانی کا آغاز ۱۹۷۳ء میں پرائمری جماعت سے کیا۔ اسی زمانے سے سکول اور دیگر مواقع پر نعت خوانی کے مقابلوں میں شرکت یقینی ہوتی تھی۔ بعد ازاں آپ نے متعدد ممالک میں نعت خوانی کی سعادت حاصل کی جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔

شعبۂ نعت میں ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے آپ کو تمغائے امتیاز سے نوازا۔ آپ نعت کے شاعر ہی نہیں بلکہ نعتیہ ادب کے محقق و نقاد اور نعت خواں بھی ہیں۔ آپ کی حمد و نعت کو زندگی ہی میں شہرتِ عام حاصل ہوگئی۔

سیّد صبیح الدین رحمانی کی نعتیہ شاعری ''کلیاتِ صبیح رحمانی'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ نعتیہ و حمدیہ ادب کی تحقیق و تنقید پر مشتمل بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے دو نعتیہ مجموعوں ''جادۂ رحمت'' اور ''سرکار کے قدموں میں'' کے انگریزی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں ترجمے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئے۔ صبیح رحمانی کے نام مشاہیر کے خطوط کا ایک مجموعہ بھی ''نعت نامے'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

سبق: ۱

حمد

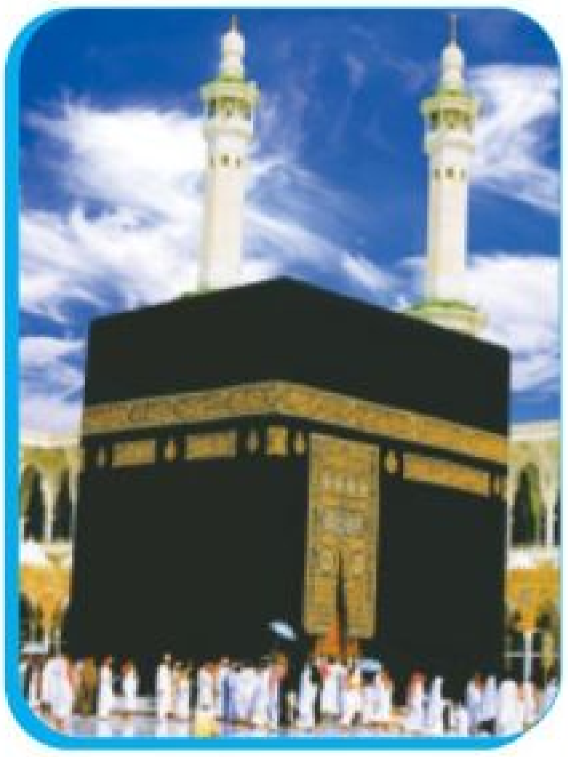

تدریسی مقاصد:

- ☆ حمد کی صنفِ سخن کا مفہوم اور اس کی خصوصیات بیان کرنا
- ☆ حمد کے مرکزی تصوّر یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کو سمجھنا
- ☆ کعبہ اور حرم کی روحانی فضا اور اس کی اہمیّت کو محسوس کرنا
- ☆ مذہبی اور اخلاقی اقدار کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا
- ☆ حمد کے فکری اور جمالیاتی پہلوؤں پر تنقیدی رائے دینا

www.ilmkidunya.com

کعبے کی رونق کعبے کا منظر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر
دیکھوں تو دیکھے جاؤں برابر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

حمد خدا سے تر ہیں زبانیں، کانوں میں رس گھولتی ہیں اذانیں
بس اِک صدا آ رہی ہے برابر ، اللہ اکبر، اللہ اکبر

مانگی ہیں مَیں نے جتنی دعائیں ، منظور ہوں گی، مقبول ہوں گی
میزابِ رحمت ہے میرے سر پر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

یاد آگئیں جب اپنی خطائیں ، اشکوں میں ڈھلنے لگی التجائیں
رویا غلافِ کعبہ پکڑ کر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

بھیجا ہے جنّت سے تجھ کو خدا نے، چُوما ہے تجھ کو خود مصطفیٰ ﷺ نے
اے سنگِ اسود تیرا مقدّر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

محشر میں ہو نہ مجھے پیاس کا ڈر، ہوں مہرباں مجھ پہ ساقیِ کوثر
رب سے دعا کی زم زم کو پی کر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

تیرے کرم کی کیا بات مولا، تیرے حرم کی کیا بات مولا
تا عمر کر دے آنا مقدر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

مولا صبیحؔ اور کیا چاہتا ہے، بس مغفرت کی عطا چاہتا ہے
بخشش کے طالب پہ اپنا کرم کر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر

(سرکار کے قدموں میں)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ حمد کے متن کے مطابق درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) حرمِ الٰہی میں پہنچ کر شاعر پر حیرت کیوں طاری ہے؟

(ب) اپنی خطائیں یاد آنے پر شاعر کی کیا کیفیت ہوئی؟

(ج) ''میزابِ رحمت'' سے کیا مراد ہے؟

(د) شاعر نے زم زم پی کر کیا دعا کی؟

(ہ) شاعر نے مقطع میں اپنی کِس چاہت کا اظہار کیا ہے؟

۲۔ حمد کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں :

(الف) برابر صدا آ رہی ہے:

(i) سبحان اللہ (ii) الحمد للہ (iii) اللہ اکبر (iv) استغفر اللہ

(ب) شاعر کی التجائیں ڈھلنے لگی ہیں:

(i) جذبوں میں (ii) اشکوں میں (iii) دعاؤں میں (iv) لفظوں میں

(ج) شاعر اللہ تعالیٰ کے حضور طالب ہے:

(i) مغفرت کا (ii) عنایت کا (iii) کرم کا (iv) بخشش کا

(د) کانوں میں رس گھولتی ہیں:

(i) اذانیں (ii) دعائیں (iii) صدائیں (iv) ہوائیں

(ہ) چوما ہے تجھ کو خود مصطفیٰ ؐ نے، اے:

(i) رکن یمانی (ii) مقام ابراہیمؑ (iii) سنگِ اسود (iv) حجر اسماعیلؑ

۳۔ حمد کے مطابق درست لفظ لگا کر مصرعے مکمل کریں۔

(الف) کعبے کی رونق کعبے کا ________، اللہ اکبر، اللہ اکبر

(ب) یاد آگئیں جب اپنی خطائیں، ________ میں ڈھلنے لگی التجائیں

(ج) محشر میں ہو نہ مجھے ________ کا ڈر، ہوں مہرباں مجھ پہ ساقیِ کوثر

(د) رب سے دعا کی ________ کو پی کر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

(ہ) حمدِ خدا سے تر ہیں ________ کانوں میں رس گھولتی ہیں ادائیں

۴۔ ''سنگِ اسود'' کی تلمیح کی وضاحت کریں۔ شاعر نے اس کی کیا عظمت بیان کی ہے؟ کسی مستند حوالے سے معلوم کر کے بتائیں کہ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا بیان ہے۔ (استاد گرامی کی مدد بھی لی جا سکتی ہے)

۵۔ حج بیت اللہ کے حوالے سے درج ذیل الفاظ کے اصطلاحی معانی بیان کریں:

حرم، میزابِ رحمت، غلافِ کعبہ، ساقیِ کوثر

۶۔ کسی مستند ماخذ سے استفادہ کر کے آبِ زم زم کی تاریخ بیان کریں۔

۷۔ درج ذیل تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

غلافِ کعبہ، ساقیِ کوثر، سنگِ اسود

۸۔ اگر آپ نے حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کی ہے تو اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں یا اپنے بزرگوں سے (جنھوں نے حج/عمرہ کیا ہے) پوچھ کر حج/عمرہ کی روداد اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

www.ilmkidunya.com

۹۔ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں، مزید شعری حوالے بھی درج کریں۔

حمد خدا سے تر ہیں زبانیں، کانوں میں رَس گھولتی ہیں اذانیں
بس اک صدا آ رہی ہے برابر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
تیرے کرم کی کیا بات مولا، تیرے حرم کی کیا بات مولا
تا عمر کر دے آنا مقدّر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ کسی اور شاعر کی کوئی حمد جو آپ کو بہت پسند ہو، اپنے دوستوں کو سنائیں۔
☆ حمد یہ کلام کو خوش الحانی سے پڑھنے کے مقابلے میں حصہ لیں۔
☆ مناسکِ حج کا مطالعہ کریں اور دیگر طلبہ سے اپنی معلومات کا تبادلہ کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ سے حمد، اسلامی شاعری، مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی دینی اہمیت کے بارے میں سوال کریں۔
☆ سیّد صبیح الدین رحمانی کا مختصر تعارف کرائیں۔
☆ مشکل الفاظ کے معانی واضح کریں۔
☆ طلبہ کی توجہ حمد کے ادبی محاسن اور فکری پہلوؤں کی طرف دِلائیں۔

www.ilmkidunya.com

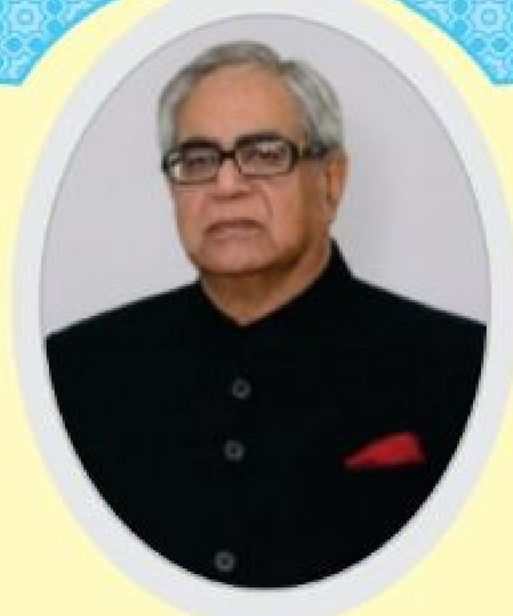

افتخار عارفؔ

(پیدائش ۱۹۴۴ء)

افتخار حسین نام اور تخلص عارفؔ ہے۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے اور ایم۔اے کی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں صحافت اور ابلاغِ عامہ کے حوالے سے ایک تربیتی کورس بھی کیا۔

افتخار عارفؔ ۱۹۶۵ء میں مستقل طور پر پاکستان آگئے۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ریڈیو پاکستان سے بطور نیوز کاسٹر کیا۔ بعد میں وہ پاکستان ٹیلی وژن سے وابستہ ہوگئے۔ تاہم ان کی اصل پہچان ایک شاعر کی حیثیت سے برقرار رہی۔

افتخار عارفؔ نے نظم و غزل دونوں اصناف میں شاعری کی۔ ان کی شاعری کا ایک نہایت اہم اور درخشاں پہلو ان کی نعتیہ شاعری ہے۔ انھوں نے نعت، سلام اور منقبت کے میدان میں نہایت باوقار اور فکری انداز اختیار کیا۔ ان کا مجموعہ ''شہرِ علم کے دروازے پر'' نعتیہ کلام پر مشتمل ہے، جس میں حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عقیدت اور محبت کا اظہار نہایت ادب، احترام اور فکری لطافت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نعتیہ شاعری میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت اطہار سے عقیدت بھی نمایاں ہے۔

افتخار عارفؔ نے ادبی اور انتظامی میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ ڈائریکٹر جنرل اکادمی ادبیات پاکستان، صدر نشین مقتدرہ قومی زبان اور بعدازاں چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان کے عہدوں پر فائز رہے۔ ان اداروں میں رہتے ہوئے انھوں نے اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

اہم تصانیف:

''مہرِ دونیم''، ''حرفِ بارياب''، ''باغِ گلِ سُرخ''، ''جہانِ معلوم''، ''شہرِ علم کے دروازے پر'' ''کتابِ دل و دنیا'' ان کے تمام شعری مجموعوں کی کلیات ہے۔

افتخار عارفؔ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں متعدد قومی اعزازات سے نوازا گیا، جن میں آدم جی ادبی ایوارڈ، نقوش ایوارڈ، صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی (پرائڈ آف پرفارمنس)، ستارۂ امتیاز اور ہلالِ امتیاز شامل ہیں۔

سبق: ٢

نعت

تدریسی مقاصد:

- ☆ صنفِ نعت کی تعریف، اہمیت اور اُردو ادب میں اس کی روایت کو سمجھنا
- ☆ نعت میں موجود جذبۂ عقیدت و محبت کو محسوس کرنا
- ☆ اِفتخار عارف کی شخصیت، ادبی خدمات اور ان کے نعتیہ اسلوب سے واقفیت حاصل کرنا
- ☆ شعری صنعتوں اور ادبی محاسن سے روشناس ہونا
- ☆ نعت کو درست تلفظ، روانی اور مناسب آہنگ سے پڑھنا

www.ilmkidunya.com

دِلوں کے ساتھ جبینیں جو خم نہیں کرتے
وُہ پاسِ مدحتِ خیرالاممؐ نہیں کرتے

دُعا بغیر، اِجازت بغیر، اِذن بغیر
ہم ایک لفظ سپردِ قلم نہیں کرتے

کتابِ حق نے جنھیں مصطفیٰؐ قرار دیا
جُز اُن کے اور کوئی ذکر ہم نہیں کرتے

کریم ایسے کہ اِنعام کرتے جاتے ہیں
جواد ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرتے

جو اُن کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں
زمانے اُن کو کبھی محترم نہیں کرتے

میّسر آتی ہے جن کو دُرود کی توفیق
کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظر میں طائف و مکّہ رہیں تو اُن کے غُلام
جواب میں بھی ستم کے ستم نہیں کرتے

(شہرِ علم کے دروازے پر)

مشق

۱۔ ’’نعت‘‘ کے متن کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

(الف) ’’مدحتِ خیرالامم‘‘ کے لیے کیا کرنا ضروری ہے؟

(ب) ’’کتابِ حق‘‘ سے کیا مراد ہے؟

(ج) ’’اِنعام‘‘، ’’نعمت‘‘ اور ’’کریم وجوّاد‘‘ کی وضاحت کریں۔

(د) شاعر کے نزدیک زمانہ کن لوگوں کو محترم نہیں کرتا؟

(ہ) واقعۂ طائف مختصر الفاظ میں بیان کریں۔

۲۔ دُرست جوابات کی نشان دہی کریں:

(الف) سرکارِ دوعالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مدحت وتوصیف میں کہی گئی نظم کو کہتے ہیں:

(i) حمد　(ii) نعت　(iii) منقبت　(iv) سلام

(ب) زیرِ مطالعہ نعت کی ہیئت ہے:

(i) مثنوی　(ii) ترجیع بند　(iii) مسدّس　(iv) قطع بند

(ج) زیرِ مطالعہ نعت کا ماخذ ہے:

(i) مہرِ دونیم　(ii) حرفِ باریاب　(iii) باغ گُلِ سرخ　(iv) شہرِ علم کے دروازے پر

(د) شعرِ سپرِ قلم نہیں ہوتا:

(i) ایک حرف　(ii) ایک لفظ　(iii) ایک شعر　(iv) ایک جملہ

(ہ) اِس نعت میں ردیف ہے:

(i) کرتے　(ii) نہیں کرتے　(iii) خم نہیں کرتے　(iv) ستم کے ستم

۳۔ نعت میں بَرتے جانے والے قوافی کی فہرست مرتّب کریں۔

۴۔ درج ذیل تراکیب کے معانی لکھیں:

خیرالامم　سپرِ قلم　کتابِ حق　شہرِ علم　جادۂ رحمت　پاسِ مدحت

۵۔ مناسب الفاظ کی مدد سے نعت کے مصرعے مکمل کریں:

(i) دلوں کے ساتھ جبینیں جو ــــــــــ نہیں کرتے

(ii) دعا بغیر ، اجازت بغیر ، ــــــــــ

(iii) ــــــــــ ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرتے

(iv) جو اُن کے ــــــــــ منحرف ہو جائیں

(v) میسّر آتی ہے جن کو ــــــــــ کی توفیق

www.ilmkidunya.com

۶۔ درج ذیل الفاظ پر اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کریں:

میسر، منحرف، سپرد، مدحت، درود، محترم

۷۔ نعت کے نکات پر غور کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

۸۔ شعری محاسن کی روشنی میں درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

جو اُن کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں
زمانے اُن کو کبھی محترم نہیں کرتے

میسّر آتی ہے جن کو دُرود کی توفیق
کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظر میں طائف و مکّہ رہیں تو اُن کے غُلام
جواب میں بھی ستم کے ستم نہیں کرتے

۹۔ درج ذیل نعتیہ اشعار دُرست لب و لہجے کے ساتھ پڑھیں اور ان کے معانی و مطالب پر گفت گو کریں:

خوشبو ہے دو عالم میں تری اے گُلِ چیدہ
کس منھ سے بیاں ہوں ترے اوصافِ حمیدہ

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ

اے ہادیِ برحق! تری ہر بات ہے سچّی
دیدہ سے بھی بڑھ کر ہے ترے لب سے شنیدہ

(حفیظ تائبؔ)

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ خوش الحان طلبہ نعت تیار کر کے جماعت اور اسمبلی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔
☆ اپنی پسندیدہ نعت ڈائری میں خوش خط تحریر کریں۔
☆ کمپیوٹر/ انٹرنیٹ سے خوب صورت نعتیں ڈاؤن لوڈ کریں اور اپنے ہم جماعت دوستوں کو سنائیں۔
☆ نعتیہ اشعار کے حوالے سے بیت بازی کے مقابلے میں حصّہ لیں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ سبق شروع کرنے سے پہلے نعت کی اہمیت اور اسلامی ادب میں اس کے مقام پر گفتگو کریں۔
☆ طلبہ سے سوال کریں کہ نعت کیا ہے اور انھوں نے کون سی معروف نعتیں سنی ہیں؟
☆ استاد پہلے پوری نعت خوش الحانی سے پڑھ کر سنائے اور بعد میں طلبہ سے باری باری اشعار کی قرأت کروائے۔
☆ اسلوبِ بیان اور لفظیات کی خوب صورتی پر روشنی ڈالیں۔

حصہ نثر

www.ilmkidunya.com

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
(۱۹۴۳ء۔۲۰۰۶ء)

www.ilmkidunya.com

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری ۶ جون ۱۹۴۳ء کو ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک قصبہ مبارک پور کے قریب واقع گاؤں حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے قرآنِ پاک کی تعلیم اپنے دادا اور چچا سے حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارک پور میں داخلہ لے کر عربی اور فارسی کی تعلیم کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۴ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخل ہوئے اور دو سال بعد مزید تعلیم کے لیے مدرسہ فیضِ عام مئو (ضلع مئو) چلے گئے۔ سات سالہ طویل تعلیمی دور کے بعد انھوں نے سندِ فضیلت حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۵۹ء میں مولوی اور ۱۹۶۰ء میں عالم کی اسناد حاصل کیں۔ آپ نے تقریباً اٹھائیس (۲۸) سال ہندوستان کے مختلف مدارس اور جامعات میں تدریس کی۔

مولانا صفی الرحمٰن کی شہرت کا بنیادی سبب ان کی تصنیف ''الرحیق المختوم'' ہے۔ یہ کتاب سیرتِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم پر لکھی گئی ایک مستند اور جامع کتاب ہے۔ ۱۹۷۶ء میں ''رابطہ عالم اسلامی'' (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم پر منعقدہ پہلے عالمی مقابلے میں یہ کتاب اوّل انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس اعزاز نے انھیں دنیا بھر میں شہرت عطا کی۔ یہ کتاب اصلاً انھوں نے عربی زبان میں لکھی اور بعد ازاں خود ہی اس کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کو عربی اور اردو، ہر دو زبانوں میں انشا و تحریر کا عمدہ ذوق اور سلیقہ عطا کیا تھا۔ وہ قدیم و جدید مصادرِ سیرت سے اخذ و انتخاب اور تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں سے بھی مالا مال تھے۔ اسی وجہ سے ان کی تصنیف ''الرحیق المختوم'' نے اردو ادبِ سیرت میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ اس کتاب کا شمار اردو زبان کی مستند اور شاہ کار کتبِ سیرت میں ہوتا ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے عربی اور اردو میں سترہ (۱۷) سے زائد کتب تصنیف و تالیف کیں۔

سبق: ۳

ہجرتِ حبشہ

تدریسی مقاصد:

- ☆ ہجرتِ حبشہ کے پس منظر اور اسباب کو بیان کرنا
- ☆ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے کردار اور اِنصاف پسندی پر روشنی ڈالنا
- ☆ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی دربارِ نجاشی میں تقریر کے نکات کو سمجھنا
- ☆ سیرتِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے واقعات سے عملی رہ نمائی حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا

www.ilmkidunya.com

مشرکین کو سخت قلق تھا کہ مسلمان اپنی جان اور اپنا دین بچا کر ایک پُر امن جگہ بھاگ گئے ہیں، لہٰذا انھوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو جو گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ایک اہم سفارتی مہم کے لیے منتخب کیا اور ان دونوں کو نجاشی اور بطریقوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہترین تحفے اور ہدیے دے کر حبش روانہ کیا۔ ان دونوں نے پہلے حبش پہنچ کر بطریقوں کو تحائف پیش کیے۔ پھر انھیں اپنے ان دلائل سے آگاہ کیا، جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو حبش سے نکلوانا چاہتے تھے۔

جب بطریقوں نے اس بات سے اتفاق کرلیا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے نکال دینے کا مشورہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی کے حضور حاضر ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے اپنا مدعا یوں عرض کیا:

''اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے لیکن آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں، نہ آپ۔ ہمیں آپ کی خدمت میں انھی کی بابت ان کے والدین، چچاؤں اور کُنبے قبیلے کے عمائدین نے بھیجا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ انھیں ان کے پاس واپس بھیج دیں، کیوں کہ وہ لوگ ان پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور عتاب کے اسباب کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔''

جب یہ دونوں اپنا مدعا عرض کر چکے تو بطریقوں نے کہا:

''بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک ہی کہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں۔ یہ دونوں انھیں ان کی قوم اور ان کے ملک میں واپس پہنچا دیں گے۔''

نجاشی نے سوچا کہ اس قضیے کو گہرائی سے کھنگالنا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سننا ضروری ہے۔ چناں چہ اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمان یہ تہیّہ کر کے اس کے دربار میں آئے کہ ہم سچ ہی بولیں گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ جب مسلمان آ گئے تو نجاشی نے پوچھا:

''یہ کون سا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، لیکن میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہو اور نہ ان ملّتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوئے ہو؟''

مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بُت پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاک دامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صِرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، انھیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و خون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور فواحش میں ملوّث ہونے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔''

اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے کام گنائے، پھر کہا:

''ہم نے اس پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے اور اس کے لائے ہوئے دینِ خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ چناں چہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حرام بتایا انھیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انھیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انھیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انھوں نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا، زمین تنگ کر دی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی۔ اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

نجاشی نے کہا:

''وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ تمھارے پاس ہے؟''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا، ''ہاں!''

نجاشی نے کہا:

www.ilmkidunya.com

''ذرا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ''سورۂ مریم'' کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ نجاشی کے تمام اسقف بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سن کر اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد نجاشی نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا: ''تم دونوں چلے جاؤ۔ مَیں ان لوگوں کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ یہاں ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔''

اس حکم پر وہ دونوں وہاں سے نکل گئے لیکن پھر عمرو بن عاص نے عبد اللہ بن ربیعہ سے کہا: ''خدا کی قسم! کل ان کے متعلق ایسی بات لاؤں گا کہ ان کی ہریالی کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا۔''

عبد اللہ بن ربیعہ نے کہا: ''نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔ ان لوگوں نے اگرچہ ہمارے خلاف کیا ہے لیکن ہیں بہر حال ہمارے اپنے ہی کنبے قبیلے کے لوگ۔'' مگر عمرو بن عاص اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اگلا دن آیا تو عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا: ''اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔'' اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمان کیا کہتے ہیں۔ اس دفعہ مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوئی لیکن انھوں نے طے کیا کہ سچ ہی بولیں گے، نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ چناں چہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس نے سوال کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی خاتم النبیین ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاک دامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔''

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا:

''خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے، اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔''

اس پر بطریقوں نے ''ہونہہ'' کی آواز لگائی۔ نجاشی نے کہا: ''اگرچہ تم لوگ 'ہونہہ' کہو۔''

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے کہا:

''جاؤ! تم لوگ میرے قلمرَو میں امن وامان سے ہو۔ جو تمھیں گالی دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے مَیں کسی آدمی کو ستاؤں اور اس کے بدلے مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔''

www.ilmkidunya.com

اس کے بعد اس نے اپنے حاشیہ نشینوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں اللہ کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔''

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا جنھوں نے اس واقعے کو بیان کیا ہے، کہتی ہیں اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے تحفے لیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوسی کے زیرِ سایہ مقیم رہے۔

(الرحیق المختوم)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) مشرکینِ مکہ نے سفارتی مہم کے لیے کن دو افراد کو منتخب کیا؟

(ب) نجاشی کے سامنے مشرکین کے نمائندوں نے کس طرح مدعا پیش کیا؟

(ج) حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً کیا فرمایا؟

(د) حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآنِ پاک کی کس سورۃ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں؟

(ہ) حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں کیا فرمایا؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) مسلمانوں نے ہجرت کی مکہ مکرمہ سے:

(الف) عراق کی طرف (ب) حبشہ کی طرف (ج) یمن کی طرف (د) شام کی طرف

(ii) مشرکین مکہ نے نجاشی کے دربار میں نمائندے بھیجے:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

(iii) جاؤ! تم لوگ امن و امان سے ہو، میرے:

(الف) مُلک میں (ب) علاقے میں (ج) قلمرو میں (د) صُوبے میں

www.ilmkidunya.com

(iv) اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو مبتلا تھی:

(الف) غفلت میں (ب) بُت پرستی میں (ج) خودغرضی میں (د) جاہلیت میں

(v) مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے مَیں کسی آدمی کو ستاؤں اور اس کے بدلے مجھے مل جائے:

(الف) بہت بڑا خزانہ (ب) سونے کا پہاڑ (ج) سیم و زر (د) قیمتی گھوڑے

۳۔ سبق ''ہجرت حبشہ'' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جُملوں کی وضاحت کریں:

(الف) ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

(ب) فواحش میں ملوث ہونے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔

(ج) پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔

(د) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاک دامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف اِلقا کیا تھا۔

(ہ) خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔

۴۔ ''رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم'' کے موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ تقریر کریں۔

۵۔ سبق ''ہجرت حبشہ'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

''اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے۔۔۔۔۔۔اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔''

واحد، جمع، جمع مکسّر، جمع سالم، تثنیہ اور جمع الجمع

واحد: وہ لفظ جو فقط ایک شخص، جگہ یا چیز کے لیے استعمال ہو، واحد کہلاتا ہے۔ مثلاً: خبر، کتاب، مسجد وغیرہ۔

جمع: وہ لفظ جو ایک سے زیادہ افراد اشیا یا جگہوں کو ظاہر کرے یعنی دو یا دو سے زائد کے لیے استعمال ہو، اسے جمع کہتے ہیں۔ مثلاً خبریں، کتب، مساجد وغیرہ

جمع کی اقسام: جمع کی بنیادی طور پر چار اقسام ہیں:

(۱) جمع مکسّر (۲) جمع سالم (۳) تثنیہ (۴) جمع الجمع

www.ilmkidunya.com

جمع مکسّر: واحد سے جمع بناتے ہوئے واحد کی اصل صورت میں تبدیلی آ جائے اسے جمع مکسّر کہتے ہیں۔ مثلاً:
منظر سے مناظر، تجویز سے تجاویز وغیرہ۔

جمع سالم: وہ جمع جس میں واحد کی اصل صورت میں کوئی تبدیلی نہ آئے بلکہ اس کے آخر میں مخصوص حروف کا اضافہ ہو اسے جمع سالم کہیں گے۔ مثلاً: کاغذ سے کاغذات، باغ سے باغات، بزرگ سے بزرگان

تثنیہ: عربی زبان اور قواعد کے مطابق دو چیزوں کے لیے الگ استعمال کی جاتی ہے۔ اس حالت کو 'تثنیہ' کہتے ہیں۔ مثلاً: والدین، جانبین، دارین وغیرہ۔

جمع الجمع: ایسی جمع جو پہلے ہی جمع ہو اور پھر اس جمع کی بھی جمع بنا دی جائے یعنی جمع کی جمع کو "جمع الجمع" کہتے ہیں۔ مثلاً:

واحد	جمع	جمع الجمع
لقب	القاب	القابات
نادر	نوادر	نوادرات

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے جمع مکسّر اور جمع سالم بنائیں اور جملوں میں استعمال کریں:

قوم، کتاب، شجر، احسان، مضمون

۸۔ درج ذیل الفاظ جمع الجمع بنائیں:

وجہ، امر، دوا، شجر، عجیب، جوہر، فتح

مضمون نویسی:

کسی بھی علمی، ادبی، صحافتی، سائنسی موضوع پر اپنے افکار و خیالات کو مربوط اور مدلّل انداز میں تحریر کرنا، مضمون نویسی کہلاتا ہے۔
مضمون عموماً تین حصّوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) تمہید یا تعارف (۲) نفسِ مضمون/متن (۳) اختتام

اسلوبِ بیان کے اعتبار سے مضمون نویسی کے مختلف انداز ہیں:

(الف) بیانیہ: اس میں موضوع کو ایک ترتیب وار کہانی یا واقعہ کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔

(ب) استدلالی: اس میں موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل دیے جاتے ہیں۔

www.ilmkidunya.com

(ج) **تفصیلی:** اس میں موضوع سے متعلق تمام تر تفصیلات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور موضوع کو مربوط انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔

(د) **تحقیقی:** اس میں موضوع سے متعلق تحقیق کر کے مختلف حوالہ جاتی مواد کو مضمون کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔

۹۔ مضمون نویسی کے مختلف پہلوؤں اور اسالیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے "بین المذاہب ہم آہنگی" کے موضوع پر مضمون تحریر کریں:

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ سبق میں شامل احادیث نبویؐ کے حوالہ جات لائبریری یا ڈیجیٹل لائبریری کی مدد سے تلاش کریں اور ان کی فہرست مرتّب کریں۔

☆ کالج میں "سیرت النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم" کے موضوع پر سیمینار منعقد کروائیں اور سیرت کے مختلف پہلوؤں پر تقاریر تیار کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ سبق کے آغاز سے پہلے تمہیدی سوالات کریں۔

☆ مکہ میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم اور ان حالات کی تصریح کریں جن کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی گئی۔

☆ طلبہ کو مکہ سے حبشہ تک کے سفر کو نقشے کے ذریعے سے سمجھائیں تاکہ تاریخی فہم بہتر ہو۔

☆ طلبہ کو اس واقعہ سے حاصل ہونے والے اخلاقی اسباق یعنی صبر، استقامت، انصاف اور مذہبی رواداری پر غور کرنے کی ترغیب دیں۔

www.ilmkidunya.com

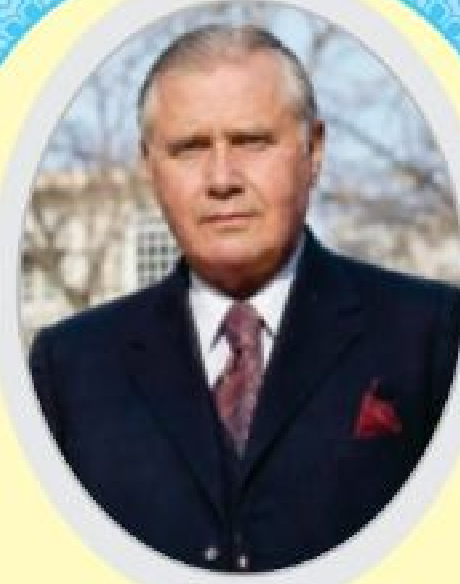

قدرت اللہ شہاب

(۱۹۱۷ء۔۱۹۸۶ء)

قدرت اللہ شہاب گلگت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گلگت اور جموں و کشمیر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے انگریزی کی ڈگری حاصل کی۔

قدرت اللہ شہاب نے ۱۹۴۱ء میں انڈین سول سروس (آئی سی ایس) کا مقابلے کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا۔ وہ ریاست جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے پہلے مسلمان تھے جنھیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ قیامِ پاکستان کے بعد شہاب پاکستان آ گئے اور متعدد اہم انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔

قدرت اللہ شہاب نے سیکریٹری جنرل حکومتِ آزاد کشمیر، ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ، ڈائریکٹر انڈسٹریز حکومت پنجاب، سیکریٹری اطلاعات حکومتِ پاکستان اور سیکریٹری وزارتِ تعلیم جیسے اہم عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ وہ گورنر جنرل ملک غلام محمد، سکندر مرزا اور صدر ایوب خان کے پرائیویٹ سیکریٹری رہے۔ انھوں نے ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر اور اقوامِ متحدہ کے ادارے یونیسکو میں بھی ذمہ داریاں ادا کیں۔ انھوں نے پاکستان رائٹرز گلڈ کے قیام میں بھی اہم کردار ادا کیا، جو ملک کے ادیبوں کے لیے ایک مؤثر ادبی پلیٹ فارم ثابت ہوا۔

قدرت اللہ شہاب کی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے ہوا۔ ان کا پہلا افسانہ ''چندراوتی'' ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ ان کی نمایاں تخلیقات میں ''یا خدا''، ''نفسانے''، ''ماں جی''، ''سرخ فیتہ'' اور ''شہاب نامہ'' شامل ہیں۔ ''شہاب نامہ'' ان کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ یہی وہ تخلیقی شاہ کار ہے جس کی اشاعت سے انھیں ادبی دنیا میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

قدرت اللہ شہاب کی نثر سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔ وہ واقعات کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری خود کو ان کا ہم سفر محسوس کرتا ہے۔ ان کا اسلوب سنجیدہ مگر دل نشیں ہے، جس میں فکری پختگی اور روحانی جھکاؤ دونوں جلوہ گر ہیں۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۴

ماں جی

تدریسی مقاصد:

- ☆ افسانے کی صنف اور اس کی بنیادی خصوصیات کو سمجھنا
- ☆ افسانے کے اہم کرداروں اور ان کی خصوصیات کا تجزیہ کرنا
- ☆ افسانے میں بیان کردہ معاشرتی اور اخلاقی اقدار کی شناخت کرنا
- ☆ افسانوی اسلوب بیان اور واقعاتی ترتیب کو سمجھنا
- ☆ طلبہ میں والدین بالخصوص ماں کے احترام اور خدمت کا جذبہ پیدا کرنا

www.ilmkidunya.com

ماں جی کی پیدائش کا صحیح سال معلوم نہ ہو سکا۔ جس زمانے میں لائل پور کا ضلع نیا نیا آباد ہو رہا تھا، پنجاب کے ہر قصبے سے غریب الحال لوگ زمین حاصل کرنے کے لیے اس نئی کالونی میں جوق در جوق کھنچے چلے آ رہے تھے۔ عرفِ عام میں لائل پور، جھنگ، سرگودھا وغیرہ کو ''بار'' کا علاقہ کہا جاتا تھا۔

اس زمانے میں ماں جی کی عمر دس بارہ سال تھی۔ اس حساب سے ان کی پیدائش پچھلی صدی کے آخری دس پندرہ سالوں میں کسی وقت ہوئی ہوگی۔

ماں جی کا آبائی وطن تحصیل روپڑ ضلع انبالہ میں ایک گاؤں منیلہ نامی تھا۔ والدین کے پاس چند ایکڑ اراضی تھی۔ ان دنوں روپڑ میں دریائے ستلج سے نہر سرہند کی کھدائی ہو رہی تھی۔ نانا جی کی اراضی نہر کی کھدائی میں ضم ہو گئی۔ روپڑ میں انگریز حاکم کے دفتر سے ایسی زمینوں کے معاوضے دیے جاتے تھے۔ نانا جی دو تین بار معاوضے کی تلاش میں شہر گئے لیکن سیدھے آدمی تھے۔ کبھی اتنا بھی معلوم نہ کر سکے کہ انگریز کا دفتر کہاں ہے اور معاوضہ وصول کرنے کے لیے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ انجامِ کار صبر و شکر کر کے بیٹھ گئے اور نہر کی کھدائی کی مزدوری کرنے لگے۔

انھی دنوں پر چہ لگا کہ بار میں کالونی کھل گئی ہے اور نئے آبادکاروں کو مفت زمین مل رہی ہے۔ نانا جی اپنی بیوی، دو ننھے بیٹوں اور ایک بیٹی کا کنبہ ساتھ لے کر لائل پور روانہ ہو گئے۔ سواری کی توفیق نہ تھی۔ اس لیے پاپیادہ چل کھڑے ہوئے۔

راستے میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے۔ نانا جی جگہ بہ جگہ قُلی کا کام کر لیتے یا کسی ٹال پر لکڑیاں چیر دیتے۔ نانی اور ماں جی کسی کا سُوت کات دیتیں یا مکانوں کے فرش اور دیواریں لیپ دیتیں۔ لائل پور کا صحیح راستا کسی کو نہ آتا تھا۔ جگہ جگہ بھٹکتے تھے اور پوچھ پوچھ کر دنوں کی منزل ہفتوں میں طے کرتے تھے۔

ڈیڑھ دو مہینے کی مسافت کے بعد جڑانوالہ پہنچے۔ پا پیادہ چلنے اور محنت مزدوری کی مشقت سے سب کے جسم نڈھال اور پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ یہاں پر چند ماہ قیام کیا۔ نانا جی دن بھر غلّہ منڈی میں بوریاں اٹھانے کا کام کرتے۔ نانی چرخہ کات کر سوت بیچتیں اور ماں جی گھر سنبھالتیں جو ایک چھوٹے سے جھونپڑے پر مشتمل تھا۔

انھی دنوں بقر عید کا تہوار آیا۔ نانا جی کے پاس چند روپے جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے ماں جی کو تین آنے بطور عیدی دیے۔ زندگی میں پہلی بار ماں جی کے ہاتھ اتنے پیسے آئے تھے۔ انھوں نے بہت سوچا لیکن اس رقم کا کوئی مصرف ان کی سمجھ میں نہ آسکا۔ وفات کے وقت ان کی عمر کوئی اسی برس کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے نزدیک سو روپے، دس روپے، پانچ روپے کے نوٹوں میں امتیاز کرنا آسان کام نہ تھا۔ عیدی کے تین آنے کئی روز ماں جی کے دوپٹے کے ایک کونے میں بندھے رہے۔ جس روز وہ جڑانوالہ سے رخصت ہو رہی تھیں ماں جی نے گیارہ پیسے کا تیل خرید کر مسجد کے چراغ میں ڈال دیا۔ باقی ایک پیسا اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد جب کبھی گیارہ پیسے پورے ہو جاتے تو وہ فوراً مسجد میں تیل بھجوا دیتیں۔

اسبابِ دنیا میں ان کے پاس گنتی کی چند چیزیں تھیں۔ تین جوڑے سُوتی کپڑے، ایک جوڑا دیسی جُوتا، ایک جوڑا ربڑ کے چپل، ایک عینک، ایک انگوٹھی جس میں تین چھوٹے چھوٹے فیروزے جڑے ہوئے تھے۔ ایک جائے نماز، ایک تسبیح اور باقی اللہ اللہ۔

کھانے پینے میں وہ کپڑے لتے سے بھی زیادہ سادہ اور غریب مزاج تھیں۔ ان کی مرغوب ترین غذا مکئی کی روٹی، دھنیے پودینے کی چٹنی کے ساتھ تھی۔ باقی چیزیں خوشی سے تو کھا لیتی تھیں لیکن شوق سے نہیں۔ تقریباً ہر نوالے پر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ پھلوں میں بہت ہی مجبور کیا جائے تو کبھی کبھار کیلے کی فرمائش کرتی تھیں۔ البتہ ناشتے میں چائے دو پیالے اور تیسرے پہر سادہ چائے کا ایک پیالہ ضرور پیتی تھیں۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتی تھیں، اکثر و بیشتر دوپہر کا، شاذ و نادر رات کا۔ گرمیوں میں عموماً مکھن نکالی ہوئی پتلی نمکین لسی کے ساتھ ایک آدھ سادہ چپاتی ان کی محبوب خوراک تھی۔

دوسروں کو کوئی چیز رغبت سے کھاتے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور ہمیشہ دعا کرتی تھیں، سب کا بھلا۔ خاص اپنے یا اپنے بچوں کے لیے انھوں نے براہِ راست کبھی کچھ نہ مانگا۔ پہلے دوسروں کے لیے مانگتی تھیں اور اس کے بعد مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کے طفیل اپنے بچوں یا عزیزوں کا بھلا چاہتی تھیں۔ اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کو انھوں نے اپنی زبان سے کبھی ''میرے بیٹے'' یا ''میری بیٹی'' کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو اللہ کا مال کہا کرتی تھیں۔

منیلہ پہنچ کر نانا جی نے اپنا آبائی مکان درست کیا، عزیز و اقارب کو تحائف دیے، دعوتیں ہوئیں اور پھر ماں جی کے لیے بَر ڈھونڈنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس زمانے میں لائل پور کے مربعہ داروں کی بڑی دھوم تھی۔ ان کا شمار خوش قسمت اور با عزت لوگوں میں ہوتا تھا۔ چناں چہ چاروں طرف سے ماں جی کے لیے پے در پے پیام آنے لگے۔ یوں بھی ان دنوں ماں جی کے بڑے ٹھاٹھ باٹھ تھے۔ برادری والوں پر رُعب گانٹھنے کے لیے نانی جی انھیں ہر روز نت نئے کپڑے پہناتی تھیں اور ہر وقت دلھنوں کی طرح سجا کر رکھتی تھیں۔

کبھی کبھار پرانی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے ماں جی بڑے معصوم فخر سے کہا کرتی تھیں، ''ان دنوں میرا تو گاؤں میں نکلنا دوبھر ہو گیا تھا۔

میں جس طرف سے گزر جاتی لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور کہا کرتے ۔ یہ خیال بخش مربعہ دار کی بیٹی جا رہی ہے ۔ دیکھیے کون خوش نصیب اسے بیاہ کر لے جائے گا۔''

''ماں جی! آپ کی اپنی نظر میں کوئی ایسا خوش نصیب نہیں تھا!'' ہم لوگ چھیڑنے کی خاطر اُن سے پوچھا کرتے ۔

''توبہ توبہ پُت !'' ماں جی کانوں پر ہاتھ لگا تیں ''میری نظر میں بھلا کوئی کیسے ہو سکتا تھا۔ ہاں میرے دل میں اتنی سی خواہش ضرور تھی کہ اگر مجھے ایسا آدمی ملے جو دو حرف پڑھا لکھا ہو تو خدا کی بڑی مہربانی ہوگی۔''

ساری عمر میں غالباً یہی ایک خواہش تھی جو ماں جی کے دل میں خود اپنی ذات کے لیے پیدا ہوئی ۔ اس کو خدا نے یوں پورا کر دیا کہ اسی سال ماں جی کی شادی عبداللہ صاحب سے ہو گئی ۔

ان دنوں سارے علاقے میں عبداللہ صاحب کا طوطی بول رہا تھا ۔ وہ ایک امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن پانچ چھے برس کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے اور بے حد مفلوک الحال بھی ۔ عبداللہ صاحب دل و جان سے تعلیم حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے ۔ وظیفے پر وظیفہ حاصل کر کے اور دو سال کے امتحان ایک ایک سال میں پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی کے میٹریکولیشن میں اوّل آئے ۔ اس زمانے میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مسلمان طالب علم نے یونیورسٹی امتحان میں ریکارڈ قائم کیا ہو۔

اُڑتے اُڑتے یہ خبر سر سیّد کے کانوں میں پڑ گئی جو اس وقت علی گڑھ مسلم کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے ۔ انھوں نے اپنا خاص منشی گاؤں میں بھیجا اور عبد صاحب کو وظیفہ دے کر علی گڑھ بلا لیا ۔ یہاں پر عبد صاحب نے خوب بڑھ چڑھ کر اپنا رنگ نکالا اور بی ۔ اے کرنے کے بعد اُنیس برس کی عمر میں وہیں پر انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے لیکچرر ہو گئے ۔

سر سیّد کو اس بات کی دُھن تھی کہ مسلمان نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اعلیٰ ملازمتوں پر جائیں ۔ چناں چہ انھوں نے عبد صاحب کو سرکاری وظیفہ دلوایا تا کہ وہ انگلستان میں جا کر آئی سی ایس کے امتحان میں شریک ہوں ۔

پچھلی صدی کے بڑے بوڑھے سات سمندر پار کے سفر کو بلائے ناگہانی سمجھتے تھے ۔ عبد صاحب کی والدہ نے بیٹے کو ولایت جانے سے منع کر دیا ۔ عبد صاحب کی سعادت مندی آڑے آئی اور انھوں نے وظیفہ واپس کر دیا ۔

اس حرکت پر سر سید کو بے حد غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا ۔ انھوں نے لاکھ سمجھایا، بجھایا، ڈرایا، دھمکایا لیکن عبد صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے ۔

''کیا تم اپنی بوڑھی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح دیتے ہو؟'' سر سید نے کڑک کر پوچھا ۔

''جی ہاں!'' عبد صاحب نے جواب دیا ۔

یہ ٹکا سا جواب سن کر سر سید آپے سے باہر ہو گئے ۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے پہلے انھوں نے عبد صاحب کو لاتوں، مکّوں، تھپڑوں اور جوتوں سے خوب پیٹا اور کالج کی نوکری سے برخواست کر کے یہ کہ کر علی گڑھ سے نکال دیا، ''اب تم ایسی جگہ جا کر مرو جہاں سے میں تمھارا نام بھی

www.ilmkidunya.com

نہ سن سکوں۔''

عبد صاحب جتنے سعادت مند بیٹے تھے، اتنے ہی سعادت مند شاگرد بھی تھے۔ نقشے پر انھیں سب سے دُور افتادہ اور دشوار گزار مقام گلگت نظر آیا۔ چناں چہ وہ ناک کی سیدھ میں گلگت پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

جن دنوں ماں جی کی منگنی کی فکر ہو رہی تھی انھی دنوں عبد صاحب بھی چھٹی پر گاؤں آئے ہوئے تھے۔ قسمت میں دونوں کا سنجوگ لکھا ہوا تھا۔ ان کی منگنی ہو گئی اور ایک ماہ بعد شادی بھی ٹھہر گئی تاکہ عبد صاحب دلھن کو اپنے ساتھ گلگت لے جائیں۔

منگنی کے بعد ایک روز ماں جی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پاس والے گاؤں میں میلا دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً یا شاید دانستہ عبد صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ماں جی کی سہیلیوں نے انھیں گھیر لیا اور ہر ایک نے چھیڑ چھیڑ کر ان سے پانچ پانچ روپے وصول کر لیے۔ عبد صاحب نے ماں جی کو بھی بہت سے روپے پیش کیے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ بہت اصرار بڑھ گیا تو مجبوراً ماں جی نے گیارہ پیسے کی فرمائش کی۔

''اتنے بڑے میلے میں گیارہ پیسے لے کر کیا کرو گی؟'' عبد صاحب نے پوچھا۔

''اگلی جمعرات کو آپ کے نام سے مسجد میں تیل ڈال دوں گی۔'' ماں جی نے جواب دیا۔

زندگی کے میلے میں بھی عبد صاحب کے ساتھ ماں جی کا لین دین صرف جمعرات کے گیارہ پیسوں تک ہی محدود رہا۔ اس سے زیادہ رقم نہ کبھی انھوں نے مانگی نہ اپنے پاس رکھی۔

اولاد کے معاملے میں ماں جی کیا واقعی خوش نصیب تھیں؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جس کا جواب آسانی سے نہیں سوجھتا۔

ماں جی خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ ان جیسی خوش نصیب ماں دنیا میں کم ہی ہوتی ہے لیکن اگر صبر و شکر، تسلیم و رضا کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو اس خوش نصیبی کے پردے میں کتنے دکھ، کتنے غم، کتنے صدمے نظر آتے ہیں۔

میاں نے ماں جی کو تین بیٹیاں اور تین بیٹے عطا کیے۔ دو بیٹیاں شادی کے کچھ عرصہ بعد یکے بعد دیگرے فوت ہو گئیں۔ سب سے بڑا بیٹا عین عالمِ شباب میں انگلستان جا کر گزر گیا۔

کہنے کو تو ماں جی نے کہہ دیا کہ '' کا مال تھا نے لے لیا'' لیکن کیا وہ اکیلے میں چھپ چھپ کر خون کے آنسو رویا نہ کرتی ہوں گی!

جب عبد صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی عمر باسٹھ سال اور ماں جی کی عمر پچپن سال تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ عبد صاحب بان کی کھردری چارپائی پر حسبِ معمول گاؤ تکیہ لگا کر نیم دراز تھے۔ ماں جی پائنتی بیٹھی چاقو سے گنّا چھیل چھیل کر ان کو دے رہی تھیں۔ وہ مزے مزے سے گنا چُوس رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے۔ پھر یکا یک سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے۔''بھاگوان! شادی سے پہلے میلے میں مَیں نے تمھیں گیارہ پیسے دیے تھے کیا ان کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟'' ماں جی نے نئی دلھنوں کی طرح سر جھکا لیا اور گنّا چھیلنے میں مصروف ہو گئیں۔

لیکن قضا و قدر کے بہی کھاتے میں وقت آ چکا تھا۔ جب ماں جی نے سر اٹھایا تو عبد صاحب گنّے کی قاش منھ میں لیے گاؤ تکیہ پر سو رہے

www.ilmkidunya.com

تھے۔ ماں جی نے بہتیرا ہلایا، ہلایا، چمکارا لیکن عبد صاحب ایسی نیند سو گئے تھے جس سے بیداری قیامت سے پہلے ممکن ہی نہیں۔

ماں جی نے اپنے باقی ماندہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو سینے سے لگا لگا کر تلقین کی ''بچّو! رونا مت۔ تمھارے ابا جی جس آرام سے سو رہے تھے، اسی آرام سے چلے گئے۔ اب رونا مت۔ ان کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔''

جب وہ خود چل دیں تو اپنے بچوں کے لیے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئیں، جو قیامت تک انھیں عقیدت کے بیابان میں سرگرداں رکھے گا۔

اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی، لیکن مسجد کا مُلّا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہو گئی ہے۔

ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ اور زردے کا اہتمام لازم ہے۔

ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔

(ماں جی)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) 'بار' کے علاقے سے کیا مراد ہے؟

(ب) ماں جی کے اسباب میں کیا کیا چیزیں شامل تھیں؟

(ج) عبد صاحب اپنی دلھن کو کہاں لے گئے؟

(د) سر سیّد احمد خان کس بات پر عبد صاحب پر خفا ہوئے؟

(ہ) 'ماں جی' کو میلا دیکھنے کے لیے کتنے پیسے ملے تھے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) نانا جی دو تین بار شہر تلاش میں گئے:

(الف) نوکری کی (ب) کاروبار کی (ج) زمین کی (د) معاوضے کی

(ii) نانا جی نے بقر عید پر ماں جی کو عیدی دی:

(الف) گیارہ پیسے (ب) بارہ پیسے (ج) دو آنے (د) تین آنے

(iii) نانا جی اپنی بیوی، دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا کنبہ لے کر روانہ ہوئے:

(الف) فیروز پور (ب) لائل پور (ج) انبالہ (د) گلگت

(iv) عبد صاحب کو ولایت جانے سے منع کیا:

(الف) والدہ نے (ب) والد نے (ج) ماں جی نے (د) نانا جی نے

(v) افسانہ ''ماں جی'' کے تخلیق کار کا نام ہے:

(الف) اشفاق احمد (ب) قدرت شہاب (ج) ممتاز مفتی (د) بانو قدسیہ

۳۔ سبق ''ماں جی'' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) ''اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو انھوں نے اپنی زبان سے کبھی ''میرے بیٹے'' یا ''میری بیٹی'' کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو کا ماں کہا کرتی تھیں۔''

(ب) ''بھاگوان! شادی سے پہلے میلے میں مَیں نے تجھے گیارہ پیسے دیے تھے کیا اُن کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟''

(ج) ''اگر رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔''

۴۔ کیا قدرت شہاب کی افسانوی تحریر ''ماں جی'' میں سماجی اور روحانی پہلو نمایاں ہیں؟ تبصرہ کریں۔

۵۔ سبق کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

(الف) ''کیا تم اپنی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح۔۔۔۔۔۔گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔''

(ب) ''اولاد کے معاملے میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رویا نہ کرتی ہوں گی؟''

تذکیر و تانیث

جنس کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہیں: (i) مذکّر (ii) مؤنّث

(i) مذکّر: وہ اسم جو ''نر'' کے لیے استعمال کیا جائے، جیسے: بھائی، لڑکا، بیٹا وغیرہ۔

(ii) مؤنّث: وہ اسم جو ''مادہ'' کے لیے استعمال ہو، جیسے: بہن، لڑکی، بیٹی وغیرہ۔

تذکیر و تانیث دو طرح کی ہوتی ہے: (i) حقیقی تذکیر و تانیث (ii) غیر حقیقی تذکیر و تانیث

www.ilmkidunya.com

(i) حقیقی تذکیروتانیث: انسانوں اور جان داروں کی تذکیروتانیث کو حقیقی تذکیروتانیث کہا جاتا ہے۔

(ii) غیرحقیقی تذکیروتانیث: اس میں ہم اسموں میں نراور مادہ کی تمیز نہیں کر سکتے بلکہ اہلِ زبان کے محاورے سے ان کی پہچان ہوتی ہے، مثلاً لباس اور رومال مذکّر ہیں جب کہ حویلی اور کرسی مؤنث ہیں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ کے جملے بنا کر تذکیروتانیث واضح کریں:

سورج، مٹی، شہر، ریاست، اخبار، اردو، چاند

۸۔ سبق ''ماں جی'' کا بغور مطالعہ کیجیے اور اس میں سے غیرحقیقی تذکیروتانیث تلاش کیجیے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ لائبریری یا انٹرنیٹ کی مدد سے کسی مشہور افسانہ نگار کے کسی ایک افسانے کا مطالعہ کریں۔

☆ افسانے ''ماں جی'' کے مرکزی کردار کے حوالے سے، قدرت شہاب کے اسلوب بیان کے اہم نکات تیار کریں اور انھیں جماعت کے روبرو پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ سے سوال کیا جائے کہ افسانے میں ''ماں جی'' کے کردار کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں۔

☆ طلبہ سے فہمِ متن کے سوالات پوچھے جائیں اور ان سے اظہار خیال کروایا جائے۔

☆ طلبہ سے کہا جائے کہ وہ ماں کی محبت یا والدین کے احترام کے موضوع پر مختصر نثر پارہ تحریر کریں۔

www.ilmkidunya.com

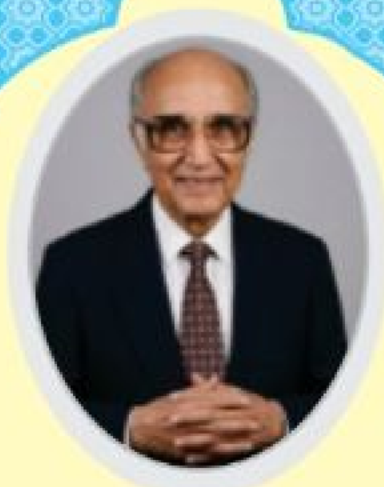

مشتاق احمد یوسفی
(۱۹۲۳ء۔۲۰۱۸ء)

مشتاق احمد یوسفی راجستھان کی ایک چھوٹی سی مسلم ریاست "ٹونک" کے ایک تعلیم یافتہ مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے نانا مسلم راٹھور تھے۔ ان کے والد عبدالکریم خان یوسفی نے جے پور شہر میں کاروبار شروع کیا۔ بعدازاں جے پور میونسپل کمیٹی کے چیئرمین اور ریاستی اسمبلی کی حزبِ مخالف کے راہ نما بھی رہے۔ اسمبلی میں سقوطِ حیدرآباد کے بعد پاکستان کی حمایت میں تقریر کرنے پر اُن کو ہجرت کر کے کراچی آنا پڑا۔

یوسفی صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور عربی، فارسی اور دینیات کے علوم پڑھے۔ انٹرمیڈیٹ راجپوتانہ بورڈ سے درجہ اوّل میں پاس کیا۔ بی۔اے آگرہ یونیورسٹی سے اوّل درجہ میں پاس کیا اور ۱۹۴۵ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے فلسفہ کی ڈگری بھی درجہ اوّل میں حاصل کی۔ علی گڑھ کے تعلیمی اور تہذیبی اثرات کے زیرِ اثر ان کے جوہر کھلے۔ ۱۹۴۶ء میں راجپوتانہ سول سروس میں شامل ہوئے اور ۱۹۴۹ء تک وہیں رہے۔ پاکستان آنے کے بعد بطور منیجر مسلم کمرشل بنک اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے پاکستان بینکنگ کونسل کے چیئرمین کے عہدے تک پہنچے۔

مشتاق احمد یوسفی ایک فطری مزاح نگار ہیں۔ ان کی تحریروں میں اگرچہ سلیقہ مندی، رکھ رکھاؤ اور عبارت کی تزئین و آرائش کا خصوصی اہتمام ملتا ہے، اس کے باوجود ان کے جملے رواں، شگفتہ اور بے ساختہ ہوتے ہیں۔ وہ بات سے بات نکالتے ہیں اور ایسے گہرے اور پوشیدہ معانی پیدا کرتے ہیں کہ وہ کسی مفکر کی بے ساختہ گفت گو کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کے موضوعات ہماری روزمرہ زندگی اور معمولات سے لیے گئے ہیں لیکن وہ ان میں بھی مزاح کے انوکھے اور چونکا دینے والے گوشے تلاش کر لیتے ہیں۔ ان کے مزاح کی بنیاد ایک اعلیٰ تہذیبی شعور اور مذاقِ سلیم پر استوار ہوتی ہے۔

یوسفی صاحب کا قلم جس موضوع کو چھوتا ہے اس میں نئی روئیدگی اور بالیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی کوئی ترکیب ایسی نہیں ہوتی جو قاری کو فکر و نظر کی نئی روشنی نہ دے جاتی ہو۔

مشہور مزاح نگار اور شاعر ابنِ انشا نے ان کے متعلق صحیح لکھا ہے کہ اگر مزاحیہ ادب کے موجودہ دور کو ہم کسی نام سے منسوب کر سکتے ہیں تو وہ یوسفی ہی کا نام ہے۔

یوسفی صاحب کے پانچ مجموعے شائع ہوئے: ''چراغ تلے''، ''خاکم بدہن''، ''زرگزشت''، ''آبِ گم''، اور ''شامِ شعرِ یاراں''۔

''خاکم بدہن'' پر انھیں ''آدم جی'' ادبی انعام سے بھی نوازا گیا۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۵

کافی

تدریسی مقاصد:

☆ مزاحیہ ادب کی خصوصیات اور اس کی اہمیت کو سمجھنا
☆ سبق ''کافی'' کے مرکزی خیال اور بنیادی نکات کو بیان کرنا
☆ مشتاق احمد یوسفی کے اسلوبِ نگارش (شوخیِ بیان، ظرافت، برجستگی) کی خصوصیات کی نشان دہی کرنا
☆ مزاحیہ تحریر کے ادبی حُسن اور زبان کی چاشنی کو محسوس کرنا

www.ilmkidunya.com

میں نے سوال کیا ''آپ کافی کیوں پیتے ہیں؟''
انھوں نے جواب دیا ''آپ کیوں نہیں پیتے؟''
''مجھے اس میں سگار کی سی بو آتی ہے۔''

''اگر آپ کا اشارہ اس کی سوندھی سوندھی خوشبو کی طرف ہے تو یہ آپ کی قوتِ شامہ کی کوتاہی ہے۔''

گو کہ ان کا اشارہ صریحاً میری ناک کی طرف تھا، تاہم رفعِ شر کی خاطر میں نے کہا: ''تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیتا ہوں کہ کافی میں سے بھینی بھینی مہک آتی ہے مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ناک کو پسند ہو وہ حلق میں انڈیل لی جائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کافی کا عطر کیوں نہ کشید کیا جائے تاکہ ادبی محفلوں میں ایک دوسرے کے لگایا کریں۔''

تڑپ کر بولے: ''صاحب! میں ماکولات میں معقولات کا دخل جائز نہیں سمجھتا، تاوقتیکہ اس گھپلے کی اصل وجہ تلفظ کی مجبوری نہ ہو۔ کافی کی مہک سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک تربیت یافتہ ذوق کی ضرورت ہے۔ یہی سوندھا پن لگی ہوئی کھیر اور دُھنگارے رائتے میں ہوتا ہے۔''

میں نے معذرت کی: ''کھرچن اور دھنگار دونوں سے مجھے متلی ہوتی ہے۔''

فرمایا: ''تعجب ہے! یوپی میں تو شرفا بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔''

''میں نے اسی بنا پر ہندوستان چھوڑا۔''

چراندے ہو کر کہنے لگے: ''آپ قائل ہو جاتے ہیں تو کج بحثی کرنے لگتے ہیں۔''

جواباً عرض کیا: ''گرم ممالک میں بحث کا آغاز صحیح معنوں میں قائل ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دانستہ دل آزاری ہمارے مشرب میں گناہ

ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ کافی خوش ذائقہ ہوتی ہے تو کسی بچے کو پلا کر اس کی صورت دیکھ لیجیے۔''

جھلا کر بولے: ''آپ معصوم بچوں کو بحث میں کیوں گھسیٹتے ہیں؟''

میں بھی الجھ گیا: ''آپ لوگ ہمیشہ بچوں سے پہلے لفظ معصوم کیوں لگاتے ہیں؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کچھ بچے گنہ گار بھی ہوتے ہیں؟ خیر آپ کو بچوں پر اعتراض ہے تو بلّی کو لیجیے۔''

''بلّی ہی کیوں؟ بکری کیوں نہیں؟'' وہ سچ مچ مچلنے لگے۔

میں نے سمجھایا: ''بلّی اس لیے کہ جہاں تک پینے کی چیزوں کا تعلق ہے، بچے اور بلّیاں بُرے بھلے کی کہیں بہتر تمیز رکھتے ہیں۔''

ارشاد ہوا: ''کل کو آپ کہیں گے کہ چوں کہ بچّوں اور بلیوں کو پکّے گانے پسند نہیں آسکتے اس لیے وہ بھی لغو ہیں۔''

میں نے انھیں یقین دلایا: ''میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا۔ پکّے راگ انھیں کی ایجاد ہیں۔ آپ نے بچوں کا رونا اور بلیوں کا لڑنا۔۔۔''

بات کاٹ کر بولے: ''بہر حال ثقافتی مسائل کا فیصلہ ہم بچوں اور بلیوں پر نہیں چھوڑ سکتے۔''

آپ کو یقین آئے یا نہ آئے مگر یہ واقعہ ہے کہ جب بھی میں نے کافی کے بارے میں استصوابِ رائے عامہ کیا اس کا انجام اسی قسم کا ہوا۔ شائقین میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اُلٹی جرح کرنے لگتے ہیں۔ اب میں اِسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کافی اور کلاسیکی موسیقی کے بارے میں استفسارِ رائے عامہ کرنا بڑی عاقبت نا اندیشی ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بد مذاقی ہے جیسے کسی نیک مرد کی آمدنی یا خوب صورت عورت کی عمر دریافت کرنا۔ زندگی میں صرف ایک شخص ایسا ملا جو واقعی کافی سے بے زار تھا لیکن اس کی رائے اس لحاظ سے زیادہ قابلِ التفات نہیں کہ وہ ایک مشہور کافی ہاؤس کا مالک نکلا۔

ایک صاحب اپنی پسند کے جواز میں صرف یہ کہہ کر چُپ ہو گئے کہ:

چھٹتی نہیں ہے منھ سے یہ کافی لگی ہوئی [۱]

بعض احباب تو اس سوال سے چراغ پا ہو کر ذاتیات پر اتر آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ جھوٹے الزام کو سمجھ دار آدمی نہایت اعتماد سے ہنس کر ٹال دیتا ہے مگر سچّے الزام سے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس ضمن میں جو متضاد باتیں سننا پڑتی ہیں، ان کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

ایک کرم فرما نے میری بے زاری کو محرومی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا:

ہائے کم بخت تُو نے پی ہی نہیں [۲]

۱۔ چھٹتی نہیں ہے منھ سے یہ کافر لگی ہوئی (شیخ ابراہیم ذوقؔ)

۲۔ میرزا داغؔ دہلوی

www.ilmkidunya.com

ان کی خدمت میں حلفیہ عرض کیا کہ دراصل بیسیوں گیلن کافی پینے کے بعد ہی یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ دوسرے صاحب نے ذرا کھل کر پوچھا کہ کہیں کافی سے چِڑ کی اصل وجہ معدے کے وہ داغ (Ulcers) تو نہیں جن کو میں دو سال سے لیے پھر رہا ہوں اور جو کافی کی تیزابیت سے جل اٹھتے ہیں اور اس کے بعد وہ مجھے نہایت تشخیص ناک نظروں سے گھورنے لگے۔

استصوابِ رائے عامہ کا حشر آپ دیکھ چکے۔ اب مجھے اپنے تاثرات پیش کرنے کی اجازت دیجیے۔ میرا ایمان ہے کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی شے بے کار نہیں۔ انسان غور و فکر کی عادت ڈالے (یا محض عادت ہی ڈال لے) تو ہر بُری چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور نکل آتی ہے۔ مثال کے طور پر حُقّے ہی کو لیجیے۔ معتبر بزرگوں سے سنا ہے کہ حُقّہ پینے سے تفکّرات پاس نہیں پھٹکتے۔ بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اگر تمبا کو خراب ہو تو تفکرات ہی پر کیا موقوف ہے، کوئی بھی پاس نہیں پھٹکتا۔ اب دیگر ملکی اشیائے خورونوش پر نظر ڈالیے۔ مرچیں کھانے کا ایک آسانی سے سمجھ میں آنے والا فائدہ یہ ہے کہ ان سے ہمارے مشرقی کھانوں کا اصل رنگ اور مزہ دب جاتا ہے۔ خمیرہ گاؤزبان اس لیے کھاتے ہیں کہ بغیر راشن کارڈ کے شکر حاصل کرنے کا یہی ایک جائز طریقہ ہے۔ جوشاندہ اس لیے گوارا ہے کہ اس سے نہ صرف ایک ملکی صنعت کو فروغ ہوتا ہے بلکہ نفسِ امّارہ کو مارنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ شلغم اس لیے زہر مار کرتے ہیں کہ ان میں وٹامن ہوتا ہے لیکن جدید طبّی ریسرچ نے ثابت کر دیا ہے کہ کافی میں سوائے کافی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اہلِ ذوق کے نزدیک یہی اس کی خوبی ہے۔

معلوم نہیں کافی کیوں، کب اور کس مردم آزار نے دریافت کی لیکن یہ وثوق کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ یونانیوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ اگر انھیں ذرا بھی علم ہوتا تو چرائتہ کی طرح یہ بھی یونانی طب کی جزوِ اعظم ہوتی۔ اس قیاس کو اس امر سے مزید تقویت ہوتی ہے کہ قصبوں میں کافی کی بڑھتی ہوئی کھپت کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عطائیوں نے ”اللہ شافی، اللہ کافی“ کہہ کر موخرالذکر کا سفوف اپنے نسخوں میں لکھنا شروع کر دیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس قسم کی جڑی بوٹیوں کا استعمال عداوت اور عقدِ ثانی کے لیے مخصوص تھا۔ چوں کہ آج کل ان دونوں باتوں کو معیوب خیال کیا جاتا ہے، اس لیے صرف اظہارِ خلوصِ باہمی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

سنا ہے کہ چائے کے بڑے خوب صورت باغ ہوتے ہیں۔ یہ بات یوں بھی سچ معلوم ہوتی ہے کہ چائے اگر کھیتوں میں پیدا ہوتی تو ایشیائی ممالک میں اتنی افراط سے نہیں ملتی بلکہ غلّہ کی طرح غیر ممالک سے درآمد کی جاتی۔ میری معلوماتِ عامہ محدود ہیں مگر قیاس یہی کہتا ہے کہ کافی بھی زمین ہی سے اگتی ہوگی کیوں کہ اِس کا شمار اُن نعمتوں میں نہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر آسمان سے براہِ راست نازل کرتا ہے۔ تاہم میری چشمِ تخیّل کو کسی طور یہ باور نہیں آتا کہ کافی باغوں کی پیداوار ہو سکتی ہے اور اگر کسی ملک کے باغوں میں یہ چیز پیدا ہوتی ہے تو اللہ جانے وہاں کے جنگلوں میں کیا اُگتا ہوگا؟ ایسے اربابِ ذوق کی کمی نہیں جنھیں کافی اس وجہ سے عزیز ہے کہ یہ ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی۔ مجھ سے پوچھیے تو مجھے اپنا ملک اس لیے اور بھی عزیز ہے کہ یہاں کافی پیدا نہیں ہوتی۔

کافی پی پی کر سماج کو کوسنے والے ایک انٹلکچویل نے مجھے بتایا کہ کافی سے دل کا کنول کھل جاتا ہے اور آدمی چہکنے لگتا ہے۔ میں بھی اس رائے سے متفق ہوں۔ کوئی معقول آدمی یہ سیال پی کر اپنا منھ بند نہیں رکھ سکتا۔ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا کہ کافی پینے سے بدن میں چُستی آتی ہے۔ جبھی تو لوگ دوڑ دوڑ کر کافی ہاؤس جاتے ہیں اور گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔

www.ilmkidunya.com

بہت دیر تک وہ یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ کافی نہایت مفرّح ہے اور دماغ کو روشن کرتی ہے۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے اپنی مثال دی کہ ''ابھی کل کا واقعہ ہے۔ میں دفتر سے گھر نڈھال پہنچا۔ بیگم بڑی مزاج دان ہیں۔ فوراً کافی کا "Tea Pot" لا کر سامنے رکھ دیا۔''

میں ذرا چکرایا ''پھر کیا ہوا؟'' میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

''میں نے دودھ دان میں سے کریم نکالی'' انھوں نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا ''شکر دان میں سے کیا نکلا؟''

فرمایا ''شکر نکلی اور کیا ہاتھی گھوڑے نکلتے؟''

مجھے غصّہ تو بہت آیا مگر کافی کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عمدہ کافی بنانا بھی کیمیا گری سے کم نہیں۔ یہ اس لیے کہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق ہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا ایک مخصوص نسخہ ہوتا ہے جو سینہ بہ سینہ، حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی افریقہ کے اس انگریز افسر کا نسخہ تو سبھی کو معلوم ہے جس کی مزے دار کافی کی سارے ضلع میں دھوم تھی۔ ایک دن اس نے ایک نہایت پُرتکلف دعوت کی جس میں اس کے حبشی خانساماں نے بہت ہی خوش ذائقہ کافی بنائی۔ انگریز نے بہ نظرِ حوصلہ افزائی اس کو معزز مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب پوچھی۔

حبشی نے جواب دیا: ''بہت ہی سہل طریقہ ہے۔ میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں۔ پھر اس میں کافی ملا کر دم کرتا ہوں۔''

''لیکن اسے حل کیسے کرتے ہو؟ بہت مہین چھنی ہوتی ہے۔''

''حضور کے موزے میں چھانتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی موزے استعمال کرتے ہو؟'' آقا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

خانساماں سہم گیا: ''نہیں سرکار! میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا۔''

سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کافی کی تندی اور تلخی سے ذرا نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں اور قوتِ برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی

گولیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا (۱)

لیکن کڑواہٹ اور مٹھاس کی آمیزش سے جو معتدل قوام بنتا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لا سکتی۔ لیکن دِقّت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلّف پر محمول کرتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں:

۱۔ گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا (مرزا غالب)

"ایک چمچہ یا دو؟"

تو مجبوراً یہی گزارش کرتا ہوں کہ "میرے لیے شکر دان میں کافی کے دو چمچے ڈال دیجیے۔"

صاف ہی کیوں نہ کہ دوں کہ جہاں تک اشیائے خورونوش کا تعلق ہے، میں تہذیبِ حواس کا قائل نہیں۔ میں یہ فوری فیصلہ ذہن کے بجائے زبان پر چھوڑنا پسند کرتا ہوں۔ پہلی نظر میں جو محبت ہو جاتی ہے اس میں بالعموم نیّت کا فتور کارفرما ہوتا ہے لیکن کھانے پینے کے معاملے میں میرا یہ نظریہ ہے کہ پہلا ہی لقمہ یا گھونٹ فیصلہ کُن ہوتا ہے۔ بدذائقہ کھانے کی عادت کو ذوق میں تبدیل کرنے کے لیے بڑا پِتّا مارنا پڑتا ہے مگر میں اس سلسلے میں برسوں تلخیِ کام و دہن گوارا کرنے کا حامی نہیں، تاوقتیکہ اس میں بیوی کا اصرار یا گرہستی مجبوریاں شامل نہ ہوں۔ بنابریں مَیں ہر کافی پینے والے کو جنتی سمجھتا ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ جو لوگ عمر بھر ہنسی خوشی یہ عذاب جھیلتے رہے، ان پر دوزخ اور حمیم حرام ہیں۔

کافی امریکا کا قومی مشروب ہے۔ میں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ امریکی کلچر کافی کے زور سے پھیلا یا کافی کلچر کے زور سے رائج ہوئی۔ یہ بعینہٖ ایسا سوال ہے جیسے کوئی بے ادب یہ پوچھ بیٹھے کہ "غبارِ خاطر"(۱) چائے کی وجہ سے مقبول ہوئی یا چائے "غبارِ خاطر" کے باعث؟ ایک صاحب نے مجھے لاجواب کرنے کی خاطر یہ دلیل پیش کی، امریکا میں تو کافی اس قدر عام ہے کہ جیل میں بھی پلائی جاتی ہے۔ عرض کیا کہ جب خود قیدی اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہمیں کیا پڑی کہ وکالت کریں۔ پاکستانی جیلوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے تو انسدادِ جرائم میں کافی مدد ملے گی۔ پھر انھوں نے بتایا کہ وہاں لاعلاج مریضوں کو بشاش رکھنے کی غرض سے کافی پلائی جاتی ہے۔ کافی کے سریع التاثیر ہونے میں کیا کلام ہے۔ میرا خیال ہے کہ دمِ نزع حلق میں پانی چوانے کے بجائے کافی کے دو چار قطرے ٹپکا دیے جائیں تو مریض کا دم آسانی سے نکل جائے۔ بخدا، مجھے تو اس تجویز پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ گناہ گاروں کی فاتحہ کافی پر دلائی جائے۔

آپ کے ذہن میں خدانخواستہ یہ شبہ نہ پیدا ہو گیا ہو کہ راقم السطور کافی کے مقابلے میں چائے کا طرف دار ہے تو مضمون ختم کرنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں کافی سے اس لیے بے زار نہیں ہوں کہ مجھے چائے عزیز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافی کا جلا چائے پھونک پھونک کر پیتا ہے۔

ے ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس!
ایک وہ ہیں کہ جنھیں "چائے" کے ارماں ہوں گے(۲)

(چراغ تلے)

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے مجموعۂ مکاتیب کا نام

۲۔ ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے (مومن خان مومنؔ)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) مصنّف کافی کو کیوں ناپسند کرتے تھے؟

(ب) کافی پینے والے انٹلیکچوئل کی کافی کے متعلق کیا رائے ہے؟

(ج) کافی ہاؤس کی شام کا منظر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(د) کافی کے بارے استصوابِ رائے کا کیا نتیجہ نکلا؟

(ہ) مصنف نے جوشاندہ گوارا ہونے کے کیا اسباب بتائے؟

(و) عمدہ کافی بنانے کو کیمیا گری کیوں کہا گیا ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) مصنّف کو کافی میں بُو آتی ہے:

(الف) نسوار کی (ب) چائے کی (ج) سگریٹ کی (د) سِگار کی

(ii) معتبر بزرگوں سے سنا ہے کہ حُقّہ پینے سے پاس نہیں بھٹکتے:

(الف) آلام (ب) تخیّلات (ج) تفکّرات (د) غم

(iii) شلغم میں ہوتا ہے:

(الف) وٹامن (ب) نکوٹین (ج) کیلشیم (د) آئرن

(iv) کافی قومی مشروب ہے:

(الف) آسٹریلیا کا (ب) امریکا کا (ج) کینیا کا (د) برطانیہ کا

(v) کافی کا جلا چائے بھی پیتا ہے:

(الف) ٹھنڈی کر کے (ب) سونگھ سونگھ کر (ج) پھونک پھونک کر (د) انتہائی گرم

۳۔ سبق ''کافی'' کو مدِنظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) گرم ممالک میں بحث کا آغاز صحیح معنوں میں قائل ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

(ب) صاحب! مَیں ماکولات میں معقولات کا دخل جائز نہیں سمجھتا۔

(ج) کافی پی پی کر سماج کو کوسنے والے ایک انٹلیکچوئل نے مجھے بتایا کہ کافی سے دل کا کنول کھل جاتا ہے اور آدمی چہکنے لگتا ہے۔

www.ilmkidunya.com

(د) امریکی کلچر کافی کے زور سے پھیلا یا کافی کلچر کے زور سے رائج ہوئی۔

(ہ) میں کافی سے اس لیے بیزار نہیں ہوں کہ مجھے چائے عزیز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافی کا جلا چائے بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔

۴۔ سبق ''کافی'' کے متن سے کسی ایک پیراگراف کی تلخیص کریں اور عنوان بھی تجویز کریں۔

۵۔ سبق ''کافی'' پڑھ کر مصنف کا نقطۂ نظر رکھتے ہوئے خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات کی تشریح کریں:

(الف) ''تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیتا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ رائتے میں ہوتا ہے۔''

(ب) ''وہ جب بھی میں کافی کے بارے ۔۔۔۔۔۔۔۔ کافی ہاؤس کا مالک نکلا۔''

علاماتِ اوقاف

اوقاف، وقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ''رکنا''۔ اس طرح علامتِ اوقاف کے لفظی معنی ہیں ''رکنے کی علامتیں''، یعنی ایسی علامتیں جو تحریر میں ایک جملے کو دوسرے جملے یا کسی لفظ یا حرف کو کسی دوسرے لفظ یا حرف سے الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ انگریزی میں ان علاماتِ اوقاف کو ''Punctuation'' کہتے ہیں۔ اگر یہ علامتیں نہ ہوں تو عبارت کا مفہوم سمجھنے میں بہت دشواری پیش آئے۔ علاماتِ اوقاف کی تفصیل درج ذیل ہے:

ختمہ (وقفِ مطلق)	۔	یہ چھوٹا سا خط جملے کے اختتام پر لگایا جاتا ہے۔ مخففات کے بعد بھی یہ علامت لگائی جاتی ہے مثلاً: ن۔م۔راشد۔
سکتہ (وقفِ خفیف)	،	یہ علامت سب سے چھوٹے رکم وقفے کو ظاہر کرتی ہے جو عبارت میں مختصر ٹھہراؤ کے لیے لگائی جاتی ہے۔ مثلاً: آم، خوبانی، انار اور سیب ذائقہ دار پھل ہیں۔
وقفہ (نصف وقف)	؛	یہ علامت جملے میں سکتہ سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ایک جملے کے مختلف ذیلی حصوں کو جوڑنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ نیز کسی جملے میں مختلف الفاظ کی دو یا دو سے زائد تراکیب کے درمیان وقفہ کی علامت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ۱۔ عالیہ اور عظمیٰ؛ طاہرہ اور زاہدہ؛ تسنیم اور ناز الگ الگ ٹولیوں میں بیٹھی ہیں۔ ۲۔ لاہور پنجاب کا؛ کراچی سندھ کا؛ پشاور خیبر پختونخوا کا اور کوئٹہ بلوچستان کا دارالحکومت ہے۔
رابطہ (وقفِ لازم)	:	یہ علامت جملے میں وقفہ سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی کا قول، فرمان، مکالمہ، حوالہ کہاوت یا ضرب المثل نقل کرنے سے پہلے اور جملے کے الگ حصوں میں ربط پیدا کرنے کے لیے بنیادی جملے کے بعد اس کے ذیلی حصوں سے پہلے رابطہ کی علامت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً: قائدِ اعظم نے فرمایا: ''کام، کام اور بس کام۔'' کسی نے سچ کہا ہے: ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔''

تفصیلیہ	:-	یہ علامت کسی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے لگائی جاتی ہے۔مثلاً:علم کے درج ذیل فائدے ہیں:۔
استفہامیہ(سوالیہ)	؟	یہ علامت ہر طرح کے سوال کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔مثلاً:تم کیا کر رہے ہو؟
واوین	" "	یہ علامت کسی قول یا اقتباس کے شروع اور آخر میں لگاتے ہیں۔مثلاً: قائدِ اعظم کا قول ہے:"ایمان، اتحاد، تنظیم"
قوسین	()	یہ علامت عبارت میں کسی بات کو دوسرے جملوں سے الگ کرنے کے لیے لگاتے ہیں۔مثلاً: ڈاکٹر عبدالقدیر خاں (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے)عظیم سائنس دان تھے۔جملۂ معترضہ کو قوسین میں لکھتے ہیں۔
ندائیہ/فجائیہ/استعجابیہ	!	فجائیہ کی علامت خوف، محبت، حیرت، نفرت، خوشی، غم وغیرہ جیسے جذبات کے بے ساختہ اظہار کے لیے استعمال ہوتی ہے۔مثلاً: واہ! کتنا حسین منظر ہے۔حروفِ تخاطب کے بعد یہ علامت استعمال ہو تو ندائیہ کہلاتی ہے۔مثلاً: جنابِ عالی!، السلام علیکم!، احمد! میری بات سنو۔
خطِ فاصل (ترچھا خط)	/	تحریر میں متبادل اسما، افعال اور بیانات کے درمیان خطِ فاصل کا استعمال کیا جاتا ہے اور عدالتی مراسلہ جات میں مختلف سیریل نمبروں کے درمیان اس علامت کا استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً: (الف) میں/ہم اقرار کرتا/کرتے ہیں۔　(ب) بن/بنت وغیرہ۔

۷۔ ہر علامتِ وقف کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایک جملہ تحریر کریں۔

۸۔ سبق "کافی" پڑھ کر اس میں استعمال ہونے والی مختلف علاماتِ اوقاف کی فہرست تیار کریں اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

۹۔ اپنی پسند کے مطابق چائے/کافی میں سے کسی ایک مشروب کی آپ بیتی تحریر کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ طلبہ اپنی جماعت میں "اردو ذریعۂ اظہار" کے موضوع پر مباحثے کا اہتمام کریں اور اس کے حق یا مخالفت میں دلائل پیش کریں۔

☆ طلبہ انٹرنیٹ، مستند معلوماتی کتب یا انسائیکلوپیڈیا کی مدد سے اردو زبان کے نثری ادب کی ہر صنف سے متعلق تین تین ادیبوں کی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کر کے تحقیقی رپورٹ تیار کریں اور جماعت میں پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ مشتاق احمد یوسفی کی شخصیت، ان کی ظرافت نگاری اور اُردو ادب میں ان کا مقام بیان کریں۔

☆ اساتذہ پہلے مناسب اتار چڑھاؤ اور زیر و بم کے ساتھ عبارت کی قرأت کریں پھر طلبہ سے باری باری سبق پڑھوایا جائے۔

☆ پُرمزاح جملوں اور طنزیہ انداز کی نشان دہی کرائی جائے۔

☆ طلبہ سے گفت گو کرائی جائے کہ مصنف نے مزاح کے پردے میں کن معاشرتی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

www.ilmkidunya.com

آغا حشر کاشمیری
(۱۸۷۹ء۔۱۹۳۵ء)

آغا حشر کا اصل نام محمد شاہ تھا۔ ہندوستان کے تاریخی شہر بنارس میں ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد کا تعلق سری نگر، کشمیر سے تھا۔ ان کے والد کا نام آغا غنی شاہ کاشمیری تھا، جو مذہبی اور علمی رجحان رکھتے تھے۔

آغا حشر کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی جہاں انھوں نے عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں انھوں نے راج نارائن ہائی سکول، بنارس میں انگریزی تعلیم حاصل کی، تاہم رسمی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ادب اور خاص طور پر ڈراما نگاری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بچپن ہی سے تھیٹر دیکھنے کا شوق ان کے اندر موجود تھا، جو آگے چل کر ان کی عملی زندگی کا محور بن گیا۔

آغا حشر کاشمیری کی فنی زندگی کا آغاز ۱۸۹۷ء میں ان کے پہلے ڈرامے ''آفتابِ محبت'' سے ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے تھیٹر کی دنیا میں قدم رکھا اور جلد ہی اپنی منفرد صلاحیتوں کے باعث شہرت کی بلندیوں تک پہنچ گئے۔ انھوں نے مختلف تھیٹر کمپنیوں کے لیے بے شمار ڈرامے تحریر کیے اور اردو اسٹیج کو ایک نئی جہت عطا کی۔ شیکسپیئر کے ڈراموں سے اثر قبول کرتے ہوئے انھوں نے بعض ڈرامے ان سے ماخوذ بھی لکھے، جس کی وجہ سے انھیں ''اردو کا شیکسپیئر'' بھی کہا جاتا ہے۔

آغا حشر کاشمیری کے مشہور ڈراموں میں ''مریدِ شک''، ''اسیرِ حرص''، ''خوابِ ہستی''، ''رستم و سہراب''، ''آنکھ کا نشہ''، ''ترکی حور''، ''یہودی کی لڑکی''، ''خوب صورت بلا''، ''سفید خون'' وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آغا حشر کاشمیری کے ڈراموں کی نمایاں خصوصیات میں جان دار مکالمہ نگاری، ڈرامائی تاثر، جذبات کی شدّت، سماجی مسائل کی عکّاسی اور زبان و بیان کی دل کشی شامل ہیں۔

آغا حشر ۱۹۳۵ء کو لاہور میں وفات پا گئے۔ انھیں میانی صاحب قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ٦

رستم وسہراب

تدریسی مقاصد:

- ☆ ڈراما رستم وسہراب کے بنیادی قصّے اور کرداروں کو سمجھنا
- ☆ آغا حشر کاشمیری کی ادبی شخصیت اور ڈراما نگاری سے روشناس ہونا
- ☆ باپ بیٹے کے رشتے کی اہمیّت اور انسانی جذبات کو محسوس کرنا
- ☆ ڈرامائی اسلوب، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری کی خصوصیات کی پہچان کرنا
- ☆ کرداروں کے رویوں پر تنقیدی رائے دینے کے قابل ہونا

تعارف:

ڈراما ''رستم وسہراب'' اردو ادب کا ایک شاہ کار المیہ ہے جسے نامور ڈراما نگار آغا حشر کاشمیری نے ۱۹۳۰ء میں میڈن تھیٹر لمیٹڈ کلکتہ کی پارسی امپیریل تھیٹریکل کمپنی کے لیے تحریر کیا تھا۔ یہ ڈراما فارسی کے عظیم شاعر فردوسی کے ''شاہنامہ'' سے ماخوذ ہے۔ ڈراما تین ایکٹ پر مشتمل ہے۔ پہلے ایکٹ میں چار سین، دوسرے میں آٹھ اور تیسرے ایکٹ میں چھے یعنی کل اٹھارہ سین ہیں۔

اس ڈرامے کا المیہ اس وقت سامنے آتا ہے جب ایرانی ہیرو رستم اور اس کا بیٹا سہراب، جو برسوں بعد میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو پہچان نہیں پاتے۔ سہراب کی والدہ تہمینہ نے رستم سے یہ راز چھپا رکھا تھا کہ ان کا بیٹا زندہ ہے۔ جنگ کے دوران رستم اپنے ہی بیٹے کو پہچان نہیں پاتا اور اسے اپنے ہاتھوں قتل کر دیتا ہے۔ جب حقیقت کھلتی ہے تو رستم اپنے بیٹے کی لاش پر انتہائی غمزدہ ہوتا ہے، جو اس ڈرامے کا المیہ ہے۔ یہ ڈراما والدین اور اولاد کے مابین محبت، بے نقاب ہونے والی حقیقت اور جنگ کے المیے جیسے موضوعات کو بڑی خوب صورتی سے پیش کرتا ہے۔ آغا حشر کاشمیری کے اس ڈرامے کو اردو تھیٹر کا ایک اہم ترین کارنامہ سمجھا جاتا ہے، جسے کئی بار کامیابی سے اسٹیج کیا جا چکا ہے۔ یہ ڈراما محبت، بہادری، تقدیر اور انسانی المیے کو بڑی مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے اور قارئین کے دل پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔

اہم کردار:

- ☆ رستم (ایرانی پہلوان، سہراب کا باپ)
- ☆ سہراب (توران کا جنگجو، رستم کا بیٹا)
- ☆ گرد آفرید (حاکمِ قلعہ گستم کی بہادر بیٹی)
- ☆ تہمینہ (شاہِ سمنگان کی بیٹی سہراب کی ماں اور رستم کی بیوی)
- ☆ افراسیاب (توران کا شہنشاہ)
- ☆ شاہ کیکاؤس (شہنشاہِ ایران)
- ☆ بہرام (قلعۂ سفید کا غدار رئیس)
- ☆ ہجیر (قلعۂ سفید کا جنگ آزمودہ محافظ)

(تیسرا ایکٹ ۔ چھٹا سین)

میدانِ جنگ

(رستم اداس چہرے اور غمگین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے)

www.ilmkidunya.com

رستم: پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا۔ پھر اس ذلت کی شکل میں تو نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے؟ اے دردمندوں کی دوا، اے کمزوروں کی قوت، اے ناامیدوں کی اُمید! میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر۔ اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ اور ایک بار میری جوانی کا زور و جوش مجھے دوبارہ واپس دے دے۔

عطا کر دے وہی طاقت جو اک دن تھی مرے بس میں
جوانی کا لہو پھر جوش مارے میری نس نس میں
تری قدرت پلٹ سکتی ہے سارے کارخانے کو
پھر اک دن کے لیے تو بھیج دے پچھلے زمانے کو

(سہراب کا داخلہ)

سہراب: صبح ہوگئی۔ ممکن ہے کہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو۔ نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ (رستم کو دیکھ کر) تو آ گیا۔ کیا جنگ کے نقارے کی پہلی ہی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی؟

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا، مَیں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

سہراب: آج لڑائی کا دوسرا دن ہے۔ جانتا ہے اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟

رستم: ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔

سہراب: شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے، تو جا، واپس جا۔ اور اپنے عوض میں کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ مَیں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رستم: کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کرو۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سَمت میں نہیں گھومتا ہے۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہوگا تجھ کو پیرہن اپنا
منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے)

سہراب: ٹھہر آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں۔ جواں ہمت بوڑھے، مجھے پھر شک ہوتا ہے کہ تو رستم ہے۔ میں تیری عزت

www.ilmkidunya.com

کا واسطہ اور تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں زور سے نہیں، منت سے۔ غرور سے نہیں، عاجزی سے۔

رستم: تو میرا نام ہی جاننا چاہتا ہے۔ تو سن۔ میرا نام ہے۔۔۔

سہراب: (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم؟

رستم: نہیں سہراب کی موت۔

سہراب: افسوس! تو نے میرے رحم کی قدر نہ کی۔

(پھر جنگ ہوتی ہے۔ رستم سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے)

رستم:

بس اسی ہمت ، اسی طاقت پہ تھا اتنا غرور
تو کوئی شیشہ نہ تھا، کیوں ہو گیا پھر چور چور
کیا ہوا زورِ جوانی، اُٹھ، اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب کس قدر قوت ہے بوڑھے ہاتھ میں

(سہراب کے سینے میں خنجر بھونک دیتا ہے)

سہراب: آہ اے آنکھو! تمھارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا۔ کہاں ہو، پیارے باپ کہاں ہو؟ آؤ، آؤ کہ مرنے سے پہلے تمھارا سہراب تمھیں ایک بار دیکھ لے۔

کیا خبر تھی کہ بگڑ جائے گی قسمت اپنی
آخری وقت دِکھا دو مجھے صورت اپنی

رستم: کیا اپنی جوانی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے اپنے باپ کو یاد کر رہا ہے؟ اب تیرے باپ کی محبت، اس کی دعا، اس کے آنسو، اس کی فریاد، کوئی تجھے دنیا میں زندہ نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دلِ پاش پاش پر
آیا بھی وہ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب: بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام و نریمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے تاریک جنگلوں میں، پہاڑوں کے غاروں میں، سمندر کی تہ میں، تو کہیں بھی جا کر چھپے۔ لیکن میرے باپ رستم کے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔

www.ilmkidunya.com

رستم: (چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے) کیا! کیا!! تو رستم کا بیٹا ہے؟

سہراب: ہاں۔

رستم: تیری ماں کا نام؟

سہراب: تہمینہ

رستم: تیرے اس دعوے کا ثبوت؟

سہراب: اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی۔

رستم: جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔ تو دھوکا دے رہا ہے۔ مجھے پاگل بنا کر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا کپڑا اپھاڑ کر اپنا دیا ہوا مہرہ دیکھتا ہے) وہی مہرہ۔ وہی نشانی (سر پیٹ کر) کیا کیا! کیا کیا!! اندھے، پاگل، جلاّد یہ کیا کیا!!! شیر جیسا خوں خوار، بھیڑیے جیسا ظالم، ریچھ جیسا موذی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا۔ لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے بھی زیادہ خونی اور جہنم سے بھی زیادہ بے رحم بن گیا۔

خون میں ڈوبا ہے وہ جس سے مزہ جینے میں تھا
دل کے بدلے، کیا کوئی پتھر ترے سینے میں تھا
توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے، او ظالم اُسے
تیرا نقشہ، تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب: فتح مند بوڑھے، تو رستم نہیں ہے۔ پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح کیوں رنج کر رہا ہے؟

رستم: (رو کر) اس دنیا میں رنج اور آنسو، رونے اور چھاتی پیٹنے کے سوا اب اور کیا، باقی رہ گیا!! میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر ایک عیش اور اپنی دنیا کی ہر ایک خوشی تباہ کر دی۔ مجھ سے نفرت کر میرے منھ پر تھوک، مجھ پر ہزاروں زبانوں سے لعنت بھیج۔

فغاں ہوں، حسرت و ماتم ہوں، سر سے پاؤں تک غم ہوں
میں ہی بیٹے کا قاتل ہوں، میں ہی بد بخت رستم ہوں

(سہراب کے پاس ہی زمین پر گرتا ہے۔ سہراب اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چھاتی سے لپٹ جاتا ہے)

سہراب: باپ! پیارے باپ!!

www.ilmkidunya.com

رستم: ہائے! تو نے الفت سے، نرمی سے، منت سے، کتنی مرتبہ میرا نام پوچھا اس محبت و عاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہو جاتی، پتھر بھی جواب دینے کے لیے مجبور ہو جاتا۔ لیکن اس دوروزہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی زندگی کے آنی غرور نے میرے ہونٹوں کو ہلنے کی اجازت نہ دی میرے بچے، میری تہمینہ کی نشانی!!

کس جگہ بے رحم اجل سے میں نہاں رکھوں تجھے
آنکھ میں، دل میں، کلیجے میں، کہاں رکھوں تجھے
بس نہیں انسان کا چلتا، فنا و فوت سے
کیا کروں، کس طرح تجھ کو چھین لوں میں موت سے

سہراب: ہومان، بارمان، ہجیر سب نے مجھے دھوکا دیا۔ باپ نہ رو۔ میری موت کو خدا کی مرضی سمجھ کر صبر کرو۔

مل گئی مجھ کو جو قسمت میں سزا لکھی تھی
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کی قضا لکھی تھی

رستم: جب تیری ناشاد ماں بال نوچتی، آنسو بہاتی، چھاتی پیٹتی، ماتم اور فریاد کی تصویر بنی ہوئی سامنے آکر کھڑی ہوگی اور پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب، میرا بہادر بچہ، میری کوکھ سے پیدا ہونے والا شیر کہاں ہے؟ تو اپنا ذلیل منھ، دونوں ہاتھوں سے چھپا لینے کے سوا، اسے کیا جواب دوں گا؟ کن لفظوں سے اس کے ٹوٹے ہوئے دل اور زخمی کلیجے کو تسلی دوں گا؟

سنوں گا ہائے کیسے؟ ماتا کی اس دہائی کو
کہاں سے لاؤں گا، مانگے گی جب اپنی کمائی کو
نگاہیں کس طرح اٹھیں گی مجھ قسمت کے ہیٹے کی
دکھاؤں گا میں کن ہاتھوں سے ماں کو لاش بیٹے کی

سہراب: پیارے باپ۔ میری بدنصیب ماں سے کہنا کہ انسان سب سے لڑسکتا ہے۔ قسمت سے جنگ نہیں کرسکتا۔ آہ!

(رستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کر لیتا ہے)

رستم: یہ کیا! یہ کیا!! میرے بچے، آنکھیں کیوں بند کر لیں؟ کیا خفا ہو گئے۔ کیا ظالم باپ کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے یہ موت کا گہوارہ، یہ خون میں ڈوبی ہوئی زمین، پھولوں کا بستر، ماں کی گود، باپ کی چھاتی نہیں ہے۔ پھر تمھیں کس طرح نیند آ گئی؟

www.ilmkidunya.com

میرے بچے یوں نہ جا، مجھ کو تڑپتا چھوڑ کے
میرا دل، میرا جگر، میری کمر کو توڑ کے
ہائے کیا کیا آرزو تھی، زندگانی میں تجھے
موت آئی پھولتی پھلتی جوانی میں تجھے

سہراب: ماں۔۔۔خدا۔۔۔تمھیں۔۔۔تسلی دے۔

رستم: اور۔۔۔اور۔۔۔ بیٹا بولو، بولو چپ کیوں ہو گئے؟ آہ، آہ اس کا خون سرد ہو رہا ہے۔اس کی سانسیں ختم ہو رہی ہیں اے خدا۔ اے کریم و رحیم خدا۔ اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔ موت۔ موت تو زال و رودابہ کے گھر کا اجالا، میرے بڑھاپے کی امید، میری تہمینہ کا بولتا کھیلتا ہوا کھلونا کہاں لیے جا رہی ہے؟ دیکھ میری طرف دیکھ۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے، آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔

پھینک دے جھولی میں تو میرے گُلِ شاداب کو
ہاتھ پھیلائے ہوں میں دے دے مرے سہراب کو

سہراب: (آنکھیں بند کیے ہوئے) دنیا۔۔۔رخصت۔۔۔خدا۔۔۔

(سہراب مر جاتا ہے)

رستم: آہ۔ جوانی کا چراغ آخری ہچکی لے کر بجھ گیا بے رحم موت نے میری امید کی روشنی لوٹ لی۔ اب لاکھوں چاند، ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے۔ آسمان ماتم کر، زمین چھاتی پیٹ۔ درختو، پہاڑو، ستارو ٹکرا کر چور چور ہو جاؤ آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔ زندگی! دنیا!!۔ کہاں ہے زندگی؟ کہاں ہے دنیا؟ زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ (دیوانوں کی طرح پکارتا ہے) سہراب سہراب سہراب

(غش کھا کر گر پڑتا ہے سین بدل کر بہشت ہو جاتا ہے فرشتے آسمان سے سہراب کی لاش پر پھول برساتے ہیں)

[پردہ گرتا ہے]

(رستم و سہراب)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) رستم وسہراب کے چھٹے منظر میں کون سا اہم واقعہ پیش آیا؟ وضاحت کریں۔

(ب) رستم کو کب معلوم ہوتا ہے کہ سہراب اس کا بیٹا ہے؟

(ج) مرتے وقت سہراب کی زبان پر کیا الفاظ تھے؟

(د) سہراب کی موت پر رستم کے جذبات کا احوال تحریر کریں۔

(ہ) ڈراما رستم وسہراب میں چھٹے منظر کا مرکزی موضوع کیا ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) رستم اداس چہرے اور غمگین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے دیکھ رہا ہے:

(الف) زمین کی طرف (ب) آسمان کی طرف (ج) دروازے کی طرف (د) دیوار کی طرف

(ii) سہراب رستم کو اپنے رشتے کا یقین دلاتا ہے، دکھا کر:

(الف) رستم کا مُہرہ (ب) ماں کا خط (ج) اپنی تلوار (د) اپنی ڈھال

(iii) چھٹے منظر میں سہراب کا بنیادی مقصد تھا:

(الف) بادشاہ بننا (ب) اپنے باپ کو تلاش کرنا (ج) رستم کو شکست دینا (د) جنگ جیتنا

(iv) سہراب کی موت کا سبب تھا:

(الف) رستم کی تلوار (ب) پہچان نہ ہونا (ج) سازش (د) بیماری

(v) رستم اور سہراب ڈرامے کے موجودہ حصّے کا مرکزی موضوع ہے:

(الف) غدّاری (ب) محبّت (ج) پچھتاوا (د) انتقام

۳۔ سبق "رستم وسہراب" کو مدِنظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک سمت نہیں گھومتا۔

(ب) میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر ایک عیش اور اپنی دنیا کی ہر ایک خوشی تباہ کر دی۔

(ج) انسان سب سے لڑ سکتا ہے قسمت سے جنگ نہیں کر سکتا۔

(د) اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔

www.ilmkidunya.com

۴۔ ڈراما ''رستم و سہراب'' کو جوڑیوں کی صورت میں درست تلفظ، لب ولہجہ اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھیں اور آپس میں تبادلۂ خیال کریں۔

۵۔ رستم وسہراب کے کرداروں کا موازنہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۶۔ ڈراما ''رستم وسہراب'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۷۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

''شیر دِل بوڑھے! میرا دل تیری موت ۔۔۔۔۔۔ ایک ہی سمت نہیں گھومتا ہے۔''

حروف: حرف اس کلمے کو کہتے ہیں جو خود تو کوئی معنی نہیں رکھتا مگر جملے کے ساتھ مل کر معنی کو واضح کرتا ہے۔ مثلاً: نے، اگر، کو، اور وغیرہ۔

حروف کی اقسام:

اردو میں حرف کو ان کے استعمال کے لحاظ سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

حروفِ جار: حروفِ جار اسم کو فعل کے ساتھ ملاتے ہیں اور اسم کے ساتھ فعل کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً: نے، کو، پر، تک، اوپر، پہ، کا، باہر، آگے وغیرہ۔

فقرے	حروف جار
کتاب میز پر رکھو۔	پر
وہ رات تک پڑھتا رہا۔	تک

حروفِ عطف: اردو میں عام طور پر ''وَ'' اور ''اور'' ہی حروفِ عطف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

مرکبات	حروف عطف
شب و روز	و
چانداور سورج	اور

حروفِ استفہام: وہ حروف جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: کب، کون، کہاں، کیا، کیسے وغیرہ۔

فقرہ	حرف استفہام
تم کون ہو؟	کون

حروفِ نفی: وہ حروف جو کسی بات کی نفی یا منع کرنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: نہیں، مت، نہ وغیرہ۔

حروفِ علّت: یہ کسی بات کی وجہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور جملے کے درمیان آتے ہیں۔ مثلاً: کیوں کہ، اس لیے وغیرہ۔

www.ilmkidunya.com

حروفِ شرط: یہ حروف جملے میں شرط اور اس کا نتیجہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: اگر، تو وغیرہ۔

فقرہ	حرفِ شرط
تم میرا نام تلاش کرو، اگر ہے تو مجھے اندر آنے دو۔	اگر۔تو

حروفِ بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے بیان کیے جائیں۔ مثلاً:

فقرہ	حرفِ بیان
میں نے تمھیں پہلے ہی کہا تھا کہ میں نہیں جاؤں گا۔	کہ

حروفِ ندا: ایسے حروف جو کسی کو بلانے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: اے، ارے، او بھائی وغیرہ۔

حروفِ تحسین: ایسے حروف جو کسی کی تعریف و تحسین کے لیے استعمال کیے جائیں۔ مثلاً: شاباش، واہ وا، بہت خوب وغیرہ۔

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ کی مدد سے امجد اسلام امجد کا ڈراما "وارث" دیکھیں اور اس میں اٹھائے گئے سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی مسائل پر تنقیدی رائے کا اظہار کریں۔

☆ جوڑیوں کی صورت میں ڈراما ''رستم اور سہراب'' کے مکالموں جذبے اور تاثر کے ساتھ ڈرامائی تشکیل کریں اور جماعت میں پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ ایران کی قدیم داستانوں کا مختصر تعارف پیش کریں۔

☆ آغا حشر کاشمیری کی شخصیت، ڈراما نگاری اور اُردو تھیٹر میں ان کی خدمات کا جائزہ لیں۔

☆ مشکل الفاظ تختۂ تحریر پر لکھ کر ان کے معانی اور استعمال سمجھائے جائیں۔

☆ کرداروں کے جذبات اور مکالموں پر خاص توجہ دی جائے۔

☆ طلبہ سے سبق کے اہم نکات سے متعلق سوالات پوچھیں۔

غوث بہار
(۱۹۵۲ء۔۲۰۱۸ء)

www.ilmkidunya.com

غوث بہار بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایک ممتاز بلوچی شاعر، ادیب، محقق اور ماہرِ لسانیات تھے۔ان کا پورا نام غوث بخش بہار تھا۔ وہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے ساحلی شہر اورماڑہ سے تعلق رکھتے تھے۔غوث بہار نے اپنی زندگی بلوچی زبان وادب کی ترقی، ترویج اورحقوق کے لیے وقف کردی۔انھوں نے بلوچی ادب میں ہائیکو اور دیگر اصناف میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

غوث بہار بلوچی زبان کے جدید اور ترقی پسند ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کی تحریروں میں قومی شعور اور ترقی پسندی نمایاں نظر آتی ہے۔انھوں نے بلوچی زبان میں انقلابی اور سماجی شعور سے بھرپور شاعری کی۔ بلوچی شاعری میں جدید رجحانات کو فروغ دیا۔ وہ بلوچی زبان کے ایک کہنہ مشق ماہرِ لسانیات تھے۔ان کا مشہور افسانہ ''محشر'' ہے، جسے اردو میں غنی پرواز نے ترجمہ کیا۔ یہ افسانہ انسانی نفسیات، سماجی مسائل اور قومی شعور کو اجاگر کرتا ہے۔انھوں نے بلوچی ادب کی کئی شاہ کار تحریروں کا ترجمہ بھی کیا۔غوث بہار نے بلوچی زبان پر تین کتابیں، متعدد مضامین، مقالے اور تحریریں شائع کیں جو بلوچی زبان کی ترقی کی ضامن ہیں۔انھوں نے ترجمہ کی کتابیں اور بلوچی زبان میں افسانوں کے مجموعے شائع کیے اور بلوچی ادب اور سماج کی خدمت کسی صلے اور ستائش سے بالاتر ہو کر کی۔

غوث بہار کی زندگی جدوجہد، قید و بند اور ادبی خدمات سے بھرپور ہے۔اُن کا انتقال ۲۰۱۸ء میں ہوا۔

سبق: ۷

محشر

تدریسی مقاصد:

- ☆ بلوچی ادب اور اس کے اردو ترجمے کی اہمیت سے روشناس ہونا
- ☆ افسانے کے پلاٹ اور اہم واقعات کو ترتیب سے بیان کرنا
- ☆ افسانہ ''محشر'' کے کرداروں اور ان کی نفسیاتی کیفیات کا ادراک کرنا
- ☆ افسانے میں بیان کردہ فکر اور انسانی جذبات و احساسات سے آشنائی حاصل کرنا

www.ilmkidunya.com

دوپہر کا وقت تھا، سورج سوا نیزے پر کھڑا تھا۔ گرمی کی شدت نے چیونٹیوں اور پرندوں سے لے کر چیتوں اور ہاتھیوں تک کو پریشان کر رکھا تھا۔ جہاں تک نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، دنیا ایک چٹیل میدان نظر آ رہی تھی اور زمین ایک تپتے ہوئے توے کی مانند تھی۔

یکا یک دُور سے ایک گرد اُٹھتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی جاندار آ رہا ہے لیکن یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ کوئی حیوان تھا، انسان تھا یا سواری کے ساتھ کوئی انسان! اونچی عمارت کے دروازے کے سامنے کھڑے خوش شکل اور قد آور سفید پوش نوجوان کی نگاہیں اسی گرد پر لگی ہوئی تھیں اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، جو لحظہ بہ لحظہ قریب سے قریب تر ہوتی آ رہی تھی۔

جب گرد قریب پہنچی، تو اس میں سے ایک ایسا بوڑھا شخص نمودار ہوا جو پھٹی ہوئی پگڑی، پیوندوں سے اٹی ہوئی چوڑی شلوار، گریبان اور آستینوں سے عاری لمبی قمیص پہنے ہوئے تھا۔ جس کا چہرہ گرد آلود اور پاؤں ننگے تھے۔ وہ جلدی جلدی اس عمارت کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جونہی عمارت کے سامنے پہنچا اور اس میں داخل ہونے لگا، تو عمارت کے پاسبان نوجوان نے اسے روکتے ہوئے کہا: ''آپ پہلے کہاں تھے؟''

''میں ۔۔۔ میں ۔۔۔ سویا ۔۔۔ ہوا ۔۔۔ تھا۔''

''آپ سوئے ہوئے تھے۔ لیکن کیوں؟'' نوجوان نے حیرت سے پوچھا:

''کیا آپ نے صُور کی زوردار آواز نہیں سنی تھی؟''

''نہیں تو ۔۔۔'' بوڑھے نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ۔۔۔'' پھر بے چینی سے نوجوان کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا: ''مجھے ۔۔۔ مجھے اس عمارت میں داخل ہونے دیں تا کہ کچھ آرام تو کر سکوں ۔۔۔ اُف! کتنی گرمی ہے ۔۔۔''

نوجوان کچھ مسکرایا اور حیرانی سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بوڑھا اس کے لیے کوئی انوکھی چیز ہو۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان نے کہا، ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ آج کون سا دن ہے؟''

''نہیں۔۔۔نہیں تو''بوڑھے نے جواب دیا۔میں نے پہلے بتایا کہ میں سویا ہوا تھا۔۔۔مجھے سورج کی تپتی ہوئی شعاعوں نے جگا دیا۔۔۔''

نوجوان کو بوڑھے پر رحم آیا کہ اس بے چارے کو کسی چیز کا احساس ہی نہیں اس لیے اس نے بتایا:''بابا آج محشر ہے، محشر!۔۔۔صبح خدا نے حساب وکتاب شروع کیا تھا۔یہ ان لوگوں کی جگہ ہے، جنھوں نے دنیا میں اچھے کام کیے ہیں۔اس جگہ کو جنّت کہتے ہیں۔۔۔لیکن۔۔۔ آپ تو نیند سے ابھی بیدار ہوئے ہیں۔آپ کا حساب کتاب ابھی تک نہیں ہوا ہے۔آپ کو کس نے اس عمارت میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے۔۔۔؟''پھر کچھ دیر بعد اس نے خود ہی کہا:

''تھوڑا صبر کریں، آپ کا نام جنّتیوں کے رجسٹر میں دیکھ لوں۔۔شاید خدا نے آپ پر رحم کیا ہو اور آپ کو جنّتیوں میں شامل کیا ہو۔ بے شک وہ بڑا رحیم اور مہربان ہے۔۔۔''نوجوان رجسٹر میں اس کا نام تلاش کرنے لگا۔

''جناب! آپ کا کیا نام ہے؟''نوجوان نے دریافت کیا۔

''میرا۔۔میرا نام میرا نام کلیڈ ہے۔''

''آپ کے باپ کا نام؟''نوجوان نے ایک بار پھر دریافت کیا۔

''میرے باپ کا۔۔۔میرے باپ کا نام ٹھلو ہے جناب!''بوڑھے نے جواب دیا۔

''آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟''نوجوان نے تیسرا سوال پوچھا۔

بوڑھے نے جو پسینے سے شرابور تھا اور اپنے ننگے پاؤں گرمی کے باعث بار بار اُٹھا رہا تھا، پھر جواب دیا۔''جناب۔۔۔میں پنجپیں کرز بلوچستان کا رہنے والا ہوں اور میری عمر ستّر سال ہے۔۔۔''اس نے اپنی عمر پوچھے بغیر ہی بتا دی۔

''اطمینان رکھیے۔۔۔اب آپ کا نام دیکھ لوں گا۔۔''نوجوان نے اپنی نگاہیں سامنے رکھے ہوئے رجسٹر پر ڈال دیں، جو چار اونٹوں کے بوجھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔وہ اطمینان سے اوراق اُلٹتا رہا۔۔۔مگر بوڑھا جو گرمی سے تنگ آچکا تھا، انتظار نہ کر سکا، اس لیے اس نے پھر نوجوان سے کہا:

''میں گرمی سے مرا جا رہا ہوں۔۔۔مجھے جنّت میں جانے دیں۔۔۔''

نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا اور دیر تک اوراق الٹتے رہنے کے بعد کہا:

''آپ کا نام یہاں نہیں ہے۔۔۔یعنی آپ کا نام جنّتیوں کے ناموں میں شامل نہیں ہے۔۔۔یعنی جناب! آپ جنّتی نہیں ہیں اور یہ عمارت آپ کے لیے نہیں ہے۔۔۔''

بوڑھے نے دنیا میں سُن رکھا تھا کہ محشر میں جو شخص جنّتی نہ ہو، تو اس کی جگہ دوزخ ہوگا، جو آگ اور انگاروں سے بھرا رہتا ہے۔جب

www.ilmkidunya.com

نوجوان کے منھ سے اس نے اپنے جنّتی نہ ہونے کی بات سُنی تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ عاجزی سے نوجوان کی منت سماجت کرنے لگا۔ نوجوان کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس سے کہا: ''اُس طرف جاؤ۔۔۔آگے کچھ مکانات نظر آئیں گے۔شاید وہاں آپ کا نام ہو۔ بے چارہ!''

بوڑھا گرمی کے مارے پسینے سے شرابور ہوتا ہوا انجانی منزل کی جانب بھاگتا رہا اور راستے میں جب تھک جاتا تو بیٹھ کر ذرا سستا لیتا اور پھر اُٹھ کر بھاگتا رہتا۔ جب اُسے دُور سے بعض مکانات نظر آئے تو اُس نے اپنی رفتار تیز تر کر لی اور بالآخر وہاں پہنچ گیا۔ وہ مٹی اور گارے کے مکانات تھے مگر ان کے اردگرد کے مناظر خوب صورت تھے اور وہ ایک بڑی چار دیواری کے اندر واقع تھے۔ اس چار دیواری کے دروازے کے سامنے بھی ایک نوجوان کھڑا تھا۔ یہ نوجوان پچھلے نوجوان کی مانند خوش شکل اور قد آور تو نہ تھا مگر پھر بھی اچھا لگتا تھا۔ بوڑھے نے دل میں سوچا کہ شاید یہ نوجوان پچھلے نوجوان کا بھائی ہو لیکن پھر اس نے اپنا خیال خود ہی رد کر دیا۔

''نہیں یہ بھائی تو نہیں ہو سکتے، البتہ ہم پیشہ ہو سکتے ہیں۔'' جب قریب پہنچا تو نوجوان کو سلام دے کر کہا:

''بیٹے! میرے نام کو اپنے رجسٹر میں تلاش کریں۔ میں آپ کے ہم پیشہ نوجوان کے کہنے پر یہاں آیا ہوں۔صبح میں حساب کتاب سے رہ گیا ہوں۔ خدا نے میرا نام جنّتیوں کے ناموں میں شامل نہیں کیا ہے۔شاید آپ کے رجسٹر میں میرا نام درج ہو۔ جلدی کیجیے بیٹے! جلدی کیجیے۔۔کیوں کہ مجھے سخت گرمی لگ رہی ہے۔ میں اس شدید گرمی کو اب مزید برداشت نہیں کر سکتا میرے بیٹے!'' بوڑھا بولتا جا رہا تھا اور نوجوان حیرت سے اس کے چہرے کو تکتا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ بھلا کون ہوگا جو محشر کے دن بھی در بدر پھر رہا ہے۔

نوجوان ابھی تک سوچ رہا تھا کہ بوڑھے نے پھر کہا: ''میرا نام کلیڈ ہے۔ میرے باپ کا نام ٹہلو ہے۔ میری عمر ستّر سال ہے۔ میں پچیس کرز بلوچستان کا باشندہ ہوں۔ میں سو گیا تھا اور حساب کتاب سے رہ گیا تھا۔ آپ اپنے رجسٹر میں میرا نام تو دیکھیے۔لیکن جلدی کیجیے کیوں کہ میں گرمی سے مرا جا رہا ہوں۔'' بوڑھے نے پوچھے بغیر اپنے تمام حالات نوجوان کے گوش گزار کر دیے۔

نوجوان اپنے رجسٹر میں اس کا نام تلاش کرنے لگا، مگر کچھ دیر بعد اس نے بوڑھے سے پوچھا:

''کیا نام بتایا آپ نے؟ کلیر! اور باپ کا نام تصلو؟ یہ نام یہاں نہیں ہے۔۔۔''

بوڑھے نے دیکھا کہ نوجوان نے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام دونوں غلط بتائے۔شاید رجسٹر میں بھی اس نے غلط دیکھے ہیں۔ اس لیے اُس نے اپنا نام اور اپنے باپ کا نام دونوں دوبارہ بتا دیے۔''میرا نام کلیڈ اور میرے باپ کا نام ٹہلو ہے، آپ یہی نام دیکھ لیں۔''

نوجوان نے پھر کلیر ولد تصلو کے نہ ہونے کا اعلان کیا۔ بوڑھے نے پھر کلیڈ ولد ٹہلو دیکھنے کی استدعا کی۔ عربی اور بلوچی کے فرق نے دونوں کو کافی پریشان کر رکھا تھا۔ کلیڈ ولد ٹہلو اور کلیر ولد تصلو کی الجھن سے بیزار ہو کر نوجوان نے مشرق کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اس طرف چلے جائیے۔'' اتنا کہہ کر نوجوان نے اپنا منھ پھیر لیا۔ بوڑھا سمجھ گیا کہ وہ بیزار ہو گیا ہے اس لیے مجبوراً وہاں سے چلنے لگا مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا:

www.ilmkidunya.com

''یہ بتائیے کہ اس جگہ کا کیا نام ہے، جہاں پچھلی جگہ کی طرح میرا نام نہیں ہے۔''

''بابا! اس جگہ کو 'اِعراف' کہتے ہیں۔'' نوجوان نے غصے سے جواب دیا۔

''یہ اُن لوگوں کی جگہ ہے جو یہاں چند سال گزارنے کے بعد جنّت میں جاتے ہیں۔۔۔ یہاں آپ کا نام نہیں ہے۔ میری جان چھوڑیے بابا! اب چلے جائیے یہاں سے۔۔۔''

بوڑھا مشرق کی طرف روانہ ہوا اور بے بسی اور مجبوری سے شدید گرمی میں بھاگتا رہا۔ اسی امید پر کہ شاید کبھی کوئی سایہ مل جائے۔ اُس نے دُور سے ایک آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ آگ کے شعلے کبھی سرخ، کبھی سبز اور کبھی کالے نظر آرہے تھے۔ کچھ دیر بعد دھوپ کی گرمی کے ساتھ ساتھ آگ کے شعلوں کی گرمی نے بھی بوڑھے کو آلیا لیکن وہ چلتا رہا۔ جب قریب پہنچا تو ایک شخص نے بوڑھے کا خیر مقدم کیا۔ یہ شخص ان دونوں نوجوانوں سے مختلف تھا۔ یہ شخص انتہائی کالا اور بدشکل تھا۔ ناک ہاتھی کی ناک جیسی اور آنکھیں پیشانی پر، ایک موٹا سا ڈنڈا ہاتھ میں، جس کا سرا جلا ہوا۔

''آپ کون ہیں اور یہاں کیسے آئے ہیں؟'' کالے شخص نے بوڑھے سے دریافت کیا۔

''جائیے یہاں سے چلے جائیے، یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔۔۔''

''مَیں سو گیا تھا۔ حساب کتاب سے رہ گیا تھا۔ جنّت اور اعراف میں میرا نام نہیں تھا۔ اب آپ مہربانی کر کے اپنے رجسٹر میں دیکھیں کہ میرا نام اس میں ہے کہ نہیں۔ میرا نام۔''

''یہاں کوئی رجسٹر وجسٹر نہیں ہے بابا۔'' بوڑھے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اِن کالے شخص نے بتایا، ''جس کے گناہ ثوابوں سے زیادہ ہوں، ان کی جگہ یہیں ہے۔ یہاں نام کے ذریعے کوئی نہیں آتا۔ لیکن آپ کیسے آئے ہیں؟ یہاں تو ہر کسی کو فرشتے لاتے ہیں اور آگ سے بھرے ہوئے کنوؤں میں پھینک دیتے ہیں۔''

''میں حیران ہوں''۔ بوڑھے نے کہا۔ ''دنیا میں میری ایک بڑی قوم تھی۔ لیکن یہاں تو میری قوم کا ایک فرد بھی نظر نہیں آتا؟ شاید مجھ سے پہلے آئے ہیں۔ اگر میں انھیں دیکھ لیتا تو مجھے اپنی جگہ کا بھی پتا چل جاتا۔ آپ مہربانی کر کے مجھے وہ کنوئیں تو دکھا دیں، جہاں آپ کے بقول فرشتے لوگوں کو لا کر پھینک دیتے ہیں۔''

کالا شخص، جو اخلاق و ہمدردی کے لحاظ سے پچھلے دونوں نوجوانوں سے بہتر تھا، بوڑھے کو دوزخ کی سیر کرانے لگا تاکہ وہ اپنی قوم کو دیکھ سکے۔ بوڑھے نے دیکھا کہ آگ اور انگاروں سے بھرے ہوئے کنوؤں میں لوگ جل رہے ہیں۔

جب وہ ایک کنوئیں کے قریب پہنچے تو کالے شخص نے پُوچھا: ''کیا یہی ہیں آپ کے لوگ؟'' بوڑھے نے اپنی نگاہیں اٹھا کر کنوئیں کے اندر دیکھا، جہاں لوگ خاموشی سے جل رہے تھے۔ کوئی ایک شخص بھی ہاتھ پاؤں نہیں ہلا رہا تھا۔

''نہیں، یہ میری قوم نہیں ہے۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔ ''میری قوم اتنی کاہل نہیں تھی۔۔۔''

کالا شخص بوڑھے کو ایک دوسرے کنوئیں کے قریب لے گیا اور اس سے پوچھنے لگا، ''کیا یہ ہے آپ کی قوم؟''

بوڑھے نے پھر نگاہیں اٹھا کر ایک دوسرے کنوئیں کے اندر دیکھا، جہاں سارے لوگ آپس میں بے پناہ ہمدردی رکھتے تھے اور ہر شخص کی کوشش یہی تھی کہ دوسرے کی بجائے وہی جل جائے۔''

''نہیں ۔۔۔نہیں یہ قوم میری نہیں ہو سکتی۔ میری قوم اتنی متحد کبھی نہیں رہی۔'' بوڑھے نے پھر جواب دیا۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک اور کنوئیں کے قریب پہنچے۔ بوڑھے نے کالے شخص کے کہنے پر اس کنوئیں میں بھی نگاہیں اٹھا کر دیکھا، جہاں سارے لوگ رو رہے تھے اور ایک دوسرے کے نیچے گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''نہیں، جی نہیں!'' بوڑھے نے کہا، ''ایسی بزدل قوم میری ہرگز نہیں ہو سکتی۔'' پھر دونوں ایک اور بڑے کنوئیں کے قریب گئے۔ اس کنوئیں کی آگ کنوئیں کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔

''کیا یہی ہے آپ کی قوم؟'' کالے شخص نے پھر بوڑھے سے دریافت کیا۔

بوڑھے نے کنوئیں کے لوگوں کی طرف دیکھا۔ پھر کچھ آگے بڑھا پھر اپنی آنکھیں موند کر اچھی طرح سے دیکھنے لگا۔ ذرا اور آگے بڑھا اور اپنی آنکھیں اچھی طرح سے موند کر بغور دیکھا، اور پھر بے ساختہ چیخ اٹھا:

''یہی ہے۔ یہی ہے۔۔۔ میری قوم۔۔۔ بے شک یہی ہے۔''

کالا شخص حیرت سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اپنی قوم کو کس طرح پہچان لیا۔ پھر اس نے پوچھا:

''آخر آپ کی قوم کی شناخت کیا ہے؟ ان لوگوں کی شکلیں تو مسخ ہو چکی ہیں اور کھالیں تک اُتر چکی ہیں، اس حالت میں آپ نے کیونکر انھیں پہچان لیا؟''

''آپ کی بات درست ہے۔۔۔'' بوڑھے نے جواب دیا ''لیکن قوم شکل سے نہیں، کردار سے پہچانی جاتی ہے۔ دیکھیے، ہر فرد اسی کوشش میں ہے کہ کنوئیں سے باہر نکل جائے۔ جب ایک فرد کنوئیں کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے اور باہر نکلنے ہی والا ہوتا ہے تو دوسرے افراد اس کے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور اسے دوبارہ کنوئیں میں گرا دیتے ہیں تاکہ وہ نکل نہ جائے کیوں کہ اس سے دوسرے افراد پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ کردار دنیا میں میری قوم کے سوا اور کسی قوم کا نہ تھا۔ یہ غیر متحد اور بُغض وعناد رکھنے والی قوم میری ہے۔۔۔ مجھے جانے دو اسی کے پاس، کہ یہی ہے میری قوم!''

(بلوچی ادب سے ترجمہ از غنی پرواز)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) افسانہ ''محشر'' میں درج دوپہر کی گرمی کا منظر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(ب) بوڑھے آدمی نے نوجوان کو اپنے تعارف میں کیا بتایا؟

(ج) ''اِعراف'' سے کون سا مقام مراد ہے؟

(د) سیاہ فام نے بوڑھے آدمی کو جب دوزخ کی سیر کروائی تو وہاں لوگوں کے کیا حالات تھے؟

(ہ) بوڑھے آدمی نے اپنی قوم کے لوگوں کو کن عادات کی وجہ سے پہچانا؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) دنیا نظر آ رہی تھی:

(الف) چٹیا میدان (ب) بے آب و گیاہ میدان (ج) چٹیل میدان (د) بنجر میدان

(ii) رجسٹر کا بوجھ زیادہ تھا:

(الف) چار اونٹوں سے (ب) پانچ اونٹوں سے (ج) چھے اونٹوں سے (د) سات اونٹوں سے

(iii) ان دو زبانوں کے فرق نے دونوں کو کافی پریشان کر رکھا تھا:

(الف) اُردو اور بلوچی (ب) فارسی اور بلوچی (ج) سندھی اور بلوچی (د) عربی اور بلوچی

(iv) میری قوم اتنی نہیں تھی:

(الف) سست (ب) کاہل (ج) پسماندہ (د) ہوشیار

(v) قوم شکل سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ اس کی پہچان ہوتی ہے اس کے:

(الف) افراد سے (ب) اقوال سے (ج) کردار سے (د) اخلاق سے

۳۔ کلیڈ کی قوم کے مجموعی رویے پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔

۴۔ افسانہ ''محشر'' کے اہم نکات کی روشنی میں خلاصہ تحریر کریں۔

۵۔ افسانہ ''محشر'' کا مطالعہ کرتے ہوئے مشکل الفاظ کی فہرست بنائیں اور جوڑیوں کی صورت میں ایک دوسرے سے ان کے معانی پوچھیں۔

www.ilmkidunya.com

۶۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں:

''بوڑھا مشرق کی طرف روانہ ہوا اور۔۔۔۔۔۔جس کا سر اجلا ہوا۔''

الفاظ متضاد: جن الفاظ کے معنی ایک دوسرے کے الٹ ہوں انھیں متضاد الفاظ کہتے ہیں۔ جیسے: ''ابتدا'' کا الٹ ''انتہا'' اور ''پانی'' کا الٹ ''آگ'' ہے۔

(الف) مکمل متضاد الفاظ: یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جن کے معنی ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اور ان میں کوئی درمیانی کیفیت نہیں ہوتی۔

مثلاً: (i) دن۔۔۔رات (ii) حاضر۔۔۔غائب

(iii) زندہ۔۔۔مردہ (iv) ایمان۔۔۔کفر

(ب) نسبتاً متضاد الفاظ: یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جن کے درمیان مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

گرم۔۔۔سرد (درمیان میں نیم گرم، معتدل ہو سکتا ہے۔)

(ج) دوطرفہ متضاد الفاظ: یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اور ایک کے بغیر دوسرا نامکمل ہوتا ہے۔

مثلاً: (i) استاد۔۔۔شاگرد (ii) سوال۔۔۔جواب بیچنا۔۔۔خریدنا

۷۔ درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں اور دونوں الفاظ کو ایک جملے میں استعمال کریں:

بہار، روشنی، آباد، آغاز، غلامی

۸۔ امدادی افعال کے اصول مدِنظر رکھتے ہوئے درج ذیل الفاظ سے جملے بنائیں:

چاہنا، ہونا، رکھنا، پڑنا، ڈالنا

خط نویسی: خط دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان تحریری رابطے کا ذریعہ ہے جس میں خیالات، معلومات اور جذبات کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ خط عربی زبان کا لفظ ہے۔ خط کو ''نصف ملاقات'' بھی کہا جاتا ہے۔

خط کی اقسام: مقصد اور موقع کی مناسبت سے خط کی کئی اقسام ہیں:

(i) غیر رسمی/نجی/ذاتی خطوط:

یہ خطوط دوستوں، رشتہ داروں یا عزیزوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور ان میں ذاتی خیالات، تجربات اور حالات وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

(ii) رسمی خطوط:

یہ خطوط سرکاری یا کاروباری مقاصد اور اداروں کے درمیان رسمی خط کتابت کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ ان میں زبان اور اُسلوب بہت

www.ilmkidunya.com

رسمی اور محتاط ہوتا ہے۔ موضوع کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً: شکایتی خط، نوکری کے لیے درخواست، اداروں کے درمیان مراسلت وغیرہ۔

خط کے اجزا:

(۱) مقامِ روانگی　(۲) اندارجِ تاریخ　(۳) القاب　(۴) آداب وتسلیمات

(۵) نفسِ مضمون　(۶) اختتامی کلمات　(۷) مکتوب نگار کا نام اور پتا　(۸) مکتوب الیہ کا نام اور پتا

خط نویسی کے لیے ضروری ہدایات:

☆ خط میں سادگی کے اصول کو پیشِ نظر رکھیں۔ رسمی خطوط میں معیاری اور ادبی زبان جب کہ غیر رسمی خطوط میں عام بول چال کا اسلوب اختیار کریں۔

☆ تصنع اور بناوٹ سے کام نہ لیں۔ ضروری باتوں تک محدود رہیں اور غیر ضروری تفصیلات سے گریز کریں۔

☆ خط کا انداز موضوع سے مطابقت رکھتا ہو۔ خط کی عبارت صاف اور خوش خط ہو۔

۹۔ اخبار کے مدیر کے نام خط لکھیں جس میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے مسئلے کو اجاگر کیا گیا ہو۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ یا لائبریری کی مدد سے لوک کہانیوں / لوک داستانوں پر مشتمل مواد تلاش کریں اور اس سے حاصل شدہ روایتی اور ثقافتی معلومات جماعت کے کمرے میں پیش کریں۔

☆ طلبہ قومی شناختی فارم کے نمونے کا بغور مطالعہ کریں ۔ اس میں پوچھے گئے کوائف اور معلومات کو توجہ سے پڑھیں اور فارم کو انفرادی طور پر پُر کرنے کی مشق کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ سبق کے آغاز میں افسانہ نگار غوث بہار اور مترجم غنی پرواز کا جامع تعارف پیش کیا جائے۔

☆ طلبہ کو بلوچی ادب اور اس کے اردو تراجم کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔

☆ افسانے کے عنوان ''محشر'' کے لغوی اور معنوی پہلوؤں پر گفت گو کی جائے۔

☆ کردار نگاری، ماحول اور افسانے کے سماجی پس منظر پر روشنی ڈالی جائے۔

☆ سبق کے اختتام پر افسانے کے اخلاقی اور سماجی پیغام پر گفت گو کی جائے۔

www.ilmkidunya.com

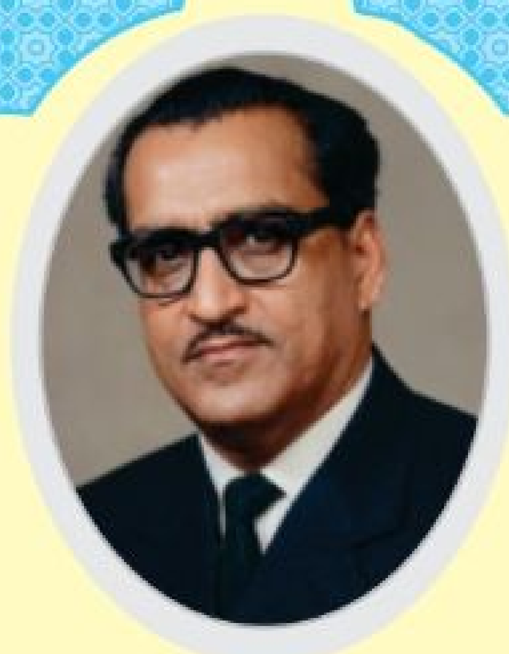

مختار مسعود

(۱۹۲۶ء۔ ۲۰۱۷ء)

www.ilmkidunya.com

مختار مسعود سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے لے کر ایم۔اے تک تعلیم مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے حاصل کی۔ ان کے والد پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے بیس سال مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں اقتصادیات کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مختار مسعود نے تحریکِ پاکستان میں ایک طالب علم کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ علی گڑھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے سالہا سال وابستہ رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سول سروس آف پاکستان کے لیے منتخب ہوئے۔ انھوں نے اپنی ملازمت کے دوران میں اعلیٰ ترین سطح پر خدمات انجام دیں۔ مختار مسعود ایک کثیر المشاغل انسان تھے۔ اُن کی زندگی میں تعلیم، سفر، تحقیق، تصنیف، تقریر، فنونِ لطیفہ، نظامت، معیشت، مالیات اور قانون سبھی کچھ شامل تھا۔

تحریکِ پاکستان میں ایک طالبِ علم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہنے کی وجہ سے ان کی تحریروں میں برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی بیداری اور تحریکِ آزادی کی تفصیل ہے جسے انھوں نے ادبی چاشنی کے ساتھ بڑے مؤثر اور دل نشیں انداز میں لکھا ہے۔ آزادی کے بعد جوش اور جذبے کے سرد ہو جانے پر اجتماعی احساسِ زیاں کو جھنجھوڑا ہے۔ ان کے اسلوب میں بلا کی دل کشی ہے۔ اندازِ بیان منفرد ہے۔ عبارت نہایت بامحاورہ اور رواں ہے۔ وہ خود ہی سفر نہیں کرتے بلکہ اپنے قاری کو اپنے تمام جذبوں اور ولولوں کے ساتھ سفر میں شریک رکھتے ہیں۔ وہ سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ تاریخ کی بھی گہری آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ ترقی کوشش اور محنتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو قومیں اس جذبے کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں، کامیابی اُن کا مقدر بنتی ہے اور جب قومیں تن آسان اور جذبوں سے عاری ہو جاتی ہیں تو تاریخ انھیں معاف نہیں کرتی۔ انھیں اپنی غلطیوں کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

ان کی تصانیف میں ''آوازِ دوست''، ''سفر نصیب''، ''لوحِ ایام'' اور ''حرفِ شوق'' زیادہ مشہور ہیں۔

سبق: ۸

مینار

تدریسی مقاصد:

- ☆ تحریکِ پاکستان اور قراردادِ لاہور کے پس منظر کو سمجھنا
- ☆ مینارِ پاکستان کی تاریخی اور قومی اہمیت سے آگاہ ہونا
- ☆ ادبی نثر کے اسلوب اور فکری گہرائی کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- ☆ قومی یادگاروں اور تاریخی مقامات کے احترام اور تحفظ کا شعور حاصل کرنا
- ☆ مختار مسعود کی شخصیت اور ادبی خدمات سے روشناس ہونا

www.ilmkidunya.com

مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی نشست تھی، میز کے اردگرد تمام اراکین جمع تھے، مَیں آج ان میں پہلی بار شامل ہوا تھا۔ کارروائی کی پہلی شِق غور کے لیے پیش ہوئی، میرا ذہن اس وقت برنارڈ شا کے اس مقولے پر غور کرنے میں مصروف تھا کہ وہ مقام جہاں خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی کی حدیں مل جائیں اسے خوش بختی کہتے ہیں۔ مَیں بہ لحاظ عہدہ اس مجلس کی صدارت کر رہا ہوں مگر عہدے کو ایک عہدِ وفا کا لحاظ بھی تو لازم ہے۔ میرے عہدے کا تعلق تعمیر سے ہے، میرے عہد کا تعلق تحریک سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے سنگ وخشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔ میں نے اس مینار کو بہ الفاظِ اقبال جلوہ گہِ جبرئیلؑ جانا اور سوچا:

باکہ گویم سِرِّ ایں معنی کہ نورِ روئے دوست\
بادماغِ من گل و با چشمِ موسیٰؑ آتشست (۱) (عُرفی)

مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں جب میرا اس کی تعمیر سے کوئی سرکاری تعلق نہ تھا مَیں محض تعلقِ خاطر کے واسطہ سے وہاں جا پہنچا۔ بنیادیں بھری جا چکی تھیں، باغ میں ہر طرف ملبہ پھیلا ہوا تھا، مینار بلندی کی طرف مائل تھا، روکار بانسوں کی باڑ میں یوں چھپی ہوئی تھی کہ عمارت تو نظر نہ آئی مگر اردو شاعری میں چلمن کا مقام مجھ پر واضح ہو گیا۔ نزدیک جانا چاہا تو چوکیدار نے سختی سے روک دیا۔ یہ تو اس چوکیدار کا ہمسر نکلا جسے مولوی عبدالحق نے وائسرائے کو ٹوک دینے پر آثارِ قدیمہ سے نکال کر چند ہم عصروں میں شامل کر لیا تھا۔ اب کہاں روز روز عبدالحق پیدا ہوں گے اور کسے فرصت ہوگی کہ عصرِ نو کے ملبے میں عزّتِ نفس کی تلاش کرے اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات پر مضمون لکھا کرے۔ میں

۱۔ میں یہ راز کس سے کہوں کہ میرے دوست کے چہرے کا نور میرے دماغ کے لیے پھول ہے لیکن (وہی نور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کے لیے آگ ہے۔

نے چوکیدار سے پوچھا، یہ کیا بن رہا ہے؟ کہنے لگا، یادگار بن رہی ہے۔ آج جب کارروائی کے لیے پہلا مسئلہ پیش ہوا تو میں نے کہا اسے ملتوی کیجیے تاکہ ایک اور ضروری بات پر بحث ہو سکے۔ میز پر لغات کا ڈھیر لگ گیا۔ سب متفق ہوئے کہ یادگار وہ نشانِ خیر ہے جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ جب یادگار کا عام تصوّر موت اور فنا کے تصوّر سے جُدا نہ پایا تو منصوبے سے یادگار کا لفظ خارج کر دیا۔ میز صاف کی گئی، لغات کی جگہ مینار قراردادِ پاکستان کے نقشے پھیلائے گئے۔ جو تھوڑی بہت جگہ بچ گئی اس میں چائے کی پیالیاں سجائی گئیں۔ چائے شروع ہوئی تو بات بہت دُور جا نکلی۔

کہتے ہیں جب اہرامِ مصر کا معمار موقع پر پہنچا تو اس نے صحرا کی وسعت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت بلند ہونی چاہیے۔ پھر اس نے بھر بھری اور نرم ریت کو محسوس کیا اور سوچا کہ اس عمارت کو سنگلاخ بھی ہونا چاہیے۔ جب دھوپ میں ریت کے ذرّے چمکنے لگے تو اسے خیال آیا کہ اس کی عمارت شعاعوں کو منعکس کرنے کے بجائے اگر جذب کر لے تو کیا اچھا تقابل ہوگا۔ ہَوا چلی تو اسے ٹیلوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے نظر آئے اور اس نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کر دیے۔ اتنے فیصلے کرنے کے بعد بھی اسے طمانیت حاصل نہ ہوئی تو اس نے طے کیا کہ زندگی تو ایک قلیل اور مختصر وقفہ ہے وہ کیوں نہ موت کو ایک جلیل اور پائیدار مکان بنا دے۔ اب جو یہ مکان بنا تو لوگوں نے دیکھا کہ عجائبِ عالم کی فہرست میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اہرام کے معمار کو اگر اقبال پارک میں لا کھڑا کرتے تو اسے نہ جانے کیا کچھ نظر آتا اور وہ اس عمارت کو نہ معلوم کیا شکل دیتا۔ اس کی غیر حاضری میں ہمیں یہ طے کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی کہ قراردادِ پاکستان کو علامت اور عمارت کے طور پر کیا صورت دی جائے۔ باغ، جھیل، فوارے، مسجد، کتب خانہ، عجائب گھر، ہال، ہسپتال، دروازہ، درس گاہ یا مینار؟ فہرست کچھ اسی قسم کی بنی تھی اور بحث و تمحیص کے بعد کامیابی کا سہرا سرِ مینار سجایا گیا۔ موقع و محل کی نسبت ہو یا صورت و ساخت کی نسبت ماہرین کا متفق ہونا ممکن نہیں۔ اقبال پارک کے مشرق اور شمال میں وسعت اور ہریالی، مغرب میں ایک محلہ، کچھ جھگیاں اور گندہ نالہ، جنوب میں قلعہ، گوردوارہ اور مسجدِ عالمگیری واقع ہے۔ سطحِ زمین سے دیکھا جائے تو تین سفید بیضوی نوک دار گنبد اور چار بلند سُرخ پہلودار مینار اس قطعے پر حاوی ہیں۔ ذرا بلندی سے دیکھیں تو اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے چار مینار بھی اس منظر کا حصّہ بن جاتے ہیں۔ آٹھ میناروں کے ہوتے ہوئے نویں مینار کا اضافہ کسی نے حسن جانا اور کسی نے بد ذوقی۔ اس بات کو البتہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عمارت اپنی نسبت کی حیثیت سے منفرد ہے۔ دنیا میں کہیں کسی قرار داد کو منظور کرنے کی یاد اس طرح نہیں منائی گئی کہ جلسہ گاہ میں ایک مینار تعمیر کر دیا جائے۔

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مینار کی ابتدائی صورت دفاعی ضرورت کے تحت وجود میں آئی، پھر اس کی علامتی حیثیت قائم ہوئی، اس کے بعد یہ دین کا ستون بنا اور آخر کار نشانِ خیر کے طور پر بنایا جانے لگا۔ مینارِ قرارداد ان ساری حیثیتوں پر محیط ہے۔ یہ نظریاتی دفاع کی ضرورت، تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

دفاعی مینار یوں تو میسوپوٹیمیا کی اختراع بتائے جاتے ہیں، مگر ان کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے اہلِ روم اور بازنطینی تھے۔ ان کے یہاں شہر کی فصیل سے لے کر ہر بڑی حویلی میں جا بجا مینار بنے ہوئے تھے۔ ان دنوں دنیا کی آبادی مختصر اور جغرافیے کا علم کم تر تھا، فنِ حرب کا درجہ بھی پست تھا، حملہ آور گنے چنے اور ان کے ہتھیار دیکھے بھالے تھے، لہٰذا دفاع کے لیے یہ کوتاہ قامت مینار ہی بہت کافی تھے۔ علم

اور آبادی دونوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ فنِ حرب کا درجہ بھی بلند ہوتا چلا گیا، جنگوں کی تعداد اور شدّت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ جگہ جگہ مضبوط سے مضبوط اور بلند سے بلند تر مینار بننے لگے۔ آبنائے باسفورس، جنوبی فرانس اور وسطِ چین کی مشہور فصیلیں اور مینار اسی دَور کی یادگار ہیں۔ دیوارِ چین میں جو، اب ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے کام آتی ہے، جابجا دفاعی مینار اور یہ بُرج بنے ہوئے ہیں۔ چین گئے تو دیوار دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ دیوار بھی دیکھی اور اہلِ دیوار بھی۔ معلوم ہوا کہ جو کام پہلے دیواروں سے لیا جاتا تھا وہ اب دیوانوں سے لیتے ہیں۔ جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِّ سکندری ہے اور وہی سدِّ یاجوج۔

ایک دن ہم دیوار کی طرف روانہ ہوئے، سڑک میدان سے گزر کر پہاڑی سلسلے میں داخل ہو چکی تھی۔ دُور سے ایسا معلوم ہوا کہ جہاں پہاڑ اور اُفق ملتے ہیں وہاں کسی نے سیاہ پنسل سے ایک مدھم سی لکیر لگا دی ہے۔ کچھ اور آگے گئے تو دُور تک سلسلہ کوہ سنجافی نظر آیا۔ نزدیک پہنچے تو یہ مدھم سی لکیر حیرت کدہ ہنر بن گئی اور جسے ہم نے سنجاف سمجھا تھا وہ ایک سنگلاخ حقیقت نکلی۔ دیوار عمودوار ایک پہاڑی پر چڑھتی تھی اور چوٹی پر ایک دفاعی مینار بنا ہوا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس یوآن کا نوٹ نکالا اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ انعام مینار پر سب سے پہلے پہنچنے والے کو ملے گا۔ سبھی بھاگ پڑے اور میں نے جانا کہ یہ نوجوان بھی پسماندہ ملکوں کی طرح زرِ مبادلہ کی دوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بھاگنے والوں کا دم پھُول گیا اور وہ ایک ایک کر کے فرش پر بیٹھ گئے۔ مینار اب بھی اتنا ہی دُور نظر آتا تھا اور اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو اب تک دیوارِ چین میں کئی بار نقب لگ چکی ہوتی۔ یہ کام جو بڑے بڑے ملک نہ کر سکے اردو شاعری نے کر دکھایا، شعر ہے:

میرے شیون سے فقط قصرِ فریدوں نہ گرا
سدِّ اسکندر و اورنگ نشیں بیٹھ گئی

اب صرف حضرتِ ناظمؔ کو جن کا یہ شعر ہے کیوں قصوروار ٹھہرائیے، قصور ہے تو خود ہمارے مزاج کا۔ دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرتِ غالبؔ نے بھی ڈھا دی تھی، کہتے ہیں:

برشگالِ گریۂ عاشق (۱) ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی، مانندِ گُل سَو جا سے دیوارِ چمن

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے مَیں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حق آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹّی کے اس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریز سے جو روشنی کی کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شہ نشین میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا۔ میں نے کبھی ٹاٹ میں مخمل کا پیوند تو نہیں دیکھا مگر میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزار ہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گانا بجاتا پیوند لگا ہوا ضرور دیکھا ہے۔

۱۔ دیوانِ غالب کے متداول دواوین میں یہ مصرع یوں درج ہے: برشگالِ گریۂ عشاق دیکھا چاہیے

www.ilmkidunya.com

سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں ان کے بالائی حصّے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے انھیں روشن مینار کہتے ہیں۔ مَیں نے سُن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آ جائے تو دنوں تک اہلِ مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی، روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی ہے، مینار والے کی نوکری تخفیف میں آ چکی ہے۔ اب ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی۔ سبکسارانِ ساحل شام کو بٹن نیچے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

میں نے ایک اور روشن مینار بھی دیکھا ہے۔ پہلے تو یہ میرے ذہن میں نقشے پر لگے ہوئے ایک نقطے کی صورت میں محفوظ رہا اور پھر ایک دن آنکھیں جھپکیں تو وہ نقطہ مینار بن چکا تھا۔ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو سائبیریا سے لنکا تک خشکی نظر آتی ہے۔ لنکا کے جزیرے کی شکل نقشے میں دیکھی تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو۔ اس جزیرے کی جنوبی حد ہمارے نقشے میں زمین کی آخری حد تھی۔ اسکول کے طالب علم نے سوچا کہ خشکی کی اس حدِ آخر پر کھڑا ہو کر اگر یہ کہیں کہ ایشیا میرے قدموں میں سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ بات جغرافیے کی رُو سے درست اور تاریخ کی رُو سے نادرست ہوگی۔ یہ خیال نہ جانے کب آیا اور کتنے سال لاشعور میں گم رہنے کے بعد ایک دن مسکراتا ہوا میرے سامنے آ گیا۔ میں ایک بحری جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا، اعلان ہوا کہ اب ہم لنکا کے گرد گھومتے ہوئے جزیرے کی جنوبی حد کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ میری آنکھوں میں چمک آ گئی، سامنے جزیرے کے آخری ساحل پر ایک روشن مینار دمک رہا تھا۔

(آوازِ دوست)

مشق

ا۔ مختصر جواب دیں:

(الف) مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلس تعمیر کی صدارت کون کر رہا تھا؟

(ب) ''یادگار'' کا لفظ کیوں خارج کر دیا گیا تھا؟

(ج) اہرامِ مصر کے معمار نے کیا فیصلہ کیا؟

(د) قراردادِ پاکستان کی علامت اور عمارت کے حوالے سے کیا دشواری پیش آئی؟

(ہ) مصنف کی دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت کہاں اور کیسے پوری ہوئی؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) مینار کی ابتدائی صورت کس ضرورت کے تحت وجود میں آئی؟

(الف) تاریخی (ب) ثقافتی (ج) دفاعی (د) تعمیراتی

(ii) ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے کام آتی ہے:

(الف) سدِّ سکندری (ب) سدِّ یاجوج (ج) دیوارِ گریہ (د) دیوارِ چین

(iii) میں نے اس مینار کو جلوہ گہِ جبرئیلؑ جانا اور سوچا، بہ الفاظِ:

(الف) غالبؔ (ب) اقبالؔ (ج) نظیریؔ (د) حافظؔ

(iv) اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے منظر کا حصہ بن جاتے ہیں:

(الف) چار مینار (ب) چھے مینار (ج) آٹھ مینار (د) نو مینار

(v) میں نے جیب سے نوٹ نکالا:

(الف) پچاس ڈالر کا (ب) پچاس لیرا کا (ج) پچاس یوآن کا (د) پچاس ریال کا

۳۔ سبق ''مینار'' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) یہ (مینار) نظریاتی دفاع کی ضرورت تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

(ب) جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِّ سکندری ہے اور وہی سدِّ یاجوج۔''

(ج) دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرتِ غالبؔ نے بھی ڈھا دی تھی۔

(د) میں نے اسے سنگ و خشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔

۴۔ سبق ''مینار'' کے اہم نکات کی روشنی میں خلاصہ تحریر کریں۔

۵۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں:

''سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ۔۔۔۔۔۔۔غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔''

متشابہ الفاظ:

متشابہ الفاظ ایسے الفاظ کو کہتے ہیں جو صورتِ تحریر یا تلفظ میں ایک جیسے ہوں مگر معنی کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ یعنی ایک ہی لفظ مختلف

www.ilmkidunya.com

مواقع پر مختلف معنی دیتا ہے۔اس کی کئی صورتیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

متشابہ الفاظ بعض اوقات آواز کے اعتبار سے تو ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن معانی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے:

☆ارض (زمین) عرض (درخواست) ☆آم (پھل) عام (معمولی)

متشابہ کی دوسری صورت املا اور آواز کا ایک جیسا ہونا ہے مگر معانی مختلف ہوتے ہیں۔انھیں ذو معنی بھی کہتے ہیں۔جیسے:

☆آب (پانی) آب (چمک) ☆مار (سانپ) مار (پٹائی) ☆بار (بوجھ) بار (باری)

متشابہ کی تیسری صورت میں الفاظ کی صورت ایک سی ہے مگر اعراب کی تبدیلی سے معانی بدل جاتے ہیں۔جیسے:

☆پَل پُل ☆دَم دُم

۶۔ روزمرّہ زندگی سے درج بالا تینوں صورتوں کی مثالیں تلاش کریں اور ان کی فہرست بنا کر جملوں میں استعمال کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ کی مدد سے دنیا کے بلند و بالا اور مشہور میناروں کے متعلق (مع تصاویر) ایک تحقیقی رپورٹ تیار کریں اور جماعت میں پیش کریں۔

☆ طلبہ سبق میں استعمال ہونے والے مختلف الفاظ کی فہرست تیار کریں اور ان کے مترادفات تلاش کر کے جماعت میں پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ مختار مسعود اور ان کے اسلوبِ نثر کا مختصر تعارف اُن کی کتاب ''آوازِ دوست'' کے حوالے سے کروائیں۔

☆ سبق میں شامل تاریخی حوالوں (قراردادِ لاہور، تحریکِ پاکستان وغیرہ) پر مختصر روشنی ڈالیں۔

☆ طلبہ سے مینارِ پاکستان، اس کے علامتی معنی اور سبق کے مرکزی خیال کے بارے میں سوالات پوچھیں۔

www.ilmkidunya.com

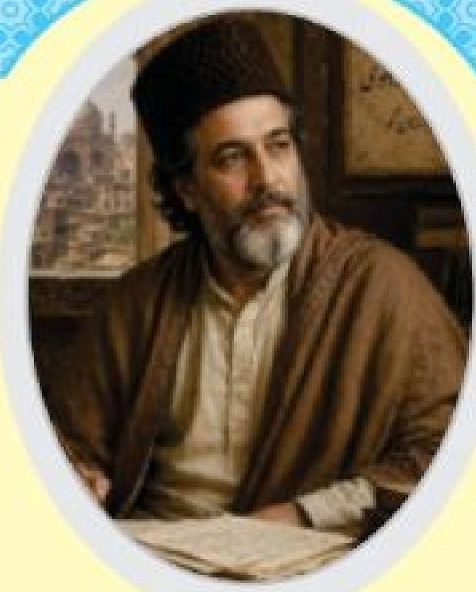

میر امّن دہلوی

(۱۷۴۸ء۔۱۸۰۶ء)

میر امّن کا اصل نام میر امان اور امّن تخلّص تھا۔ وہ میر امّن کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ ۱۷۴۸ء (کم وبیش) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان مغلیہ دربار سے وابستہ تھا اور منصب داری کے اعزاز سے سرفراز رہا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور بیرونی حملوں کے باعث ان کے خاندان کو شدید معاشی اور سماجی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

میر امّن دہلوی کو فارسی اور عربی زبان و ادب پر گہری دسترس حاصل تھی۔ دہلی کی تہذیبی فضا اور درباری ماحول نے ان کے ذوقِ زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ سیاسی ابتری کے نتیجے میں دہلی کا امن وسکون تباہ ہوگیا تو وہ پہلے عظیم آباد (پٹنہ) اور بعد ازاں روزگار کی تلاش میں کلکتہ چلے گئے۔

کلکتہ میں ان کی ملاقات جان گلکرسٹ سے ہوئی، جو فورٹ ولیم کالج کے سربراہ تھے۔ گلکرسٹ نے انھیں ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ تصنیف وتالیف میں منشی مقرر کیا۔ اسی دوران میں انھوں نے وہ کارنامہ انجام دیا جس نے انھیں اردو ادب میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

میر امّن کی اصل شناخت داستان گو اور مترجم کی حیثیت سے ہے، مگر ان کی نثری خدمات نے اردو زبان کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ ان کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تصنیف ''باغ و بہار'' ہے، جو دراصل فارسی داستان قصۂ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے۔ ''باغ و بہار'' کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی سلیس، رواں اور زندہ نثر ہے۔ مکالموں کی فطری ترتیب، کرداروں کی زبان، محاورات کا برجستہ استعمال اور قصہ گوئی کی دل کشی اسے اردو نثر کا سنگِ میل بنا دیتی ہے۔

''گنجِ خوبی'' ان کی دوسری اہم کتاب ہے جو ملّا حسین واعظ کاشفی کی کتاب ''اخلاقِ محسنی'' کا ترجمہ ہے، تاہم اسے ''باغ و بہار'' جیسی مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔

فورٹ ولیم کالج سے تقریباً پانچ برس وابستگی کے بعد میر امّن نے ملازمت ترک کر دی۔ ان کی بعد کی زندگی کے حالات واضح طور پر معلوم نہیں، تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور ۱۸۰۶ء کے آس پاس وفات پا گئے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۹

سیر دوسرے درویش کی

تدریسی مقاصد:

- ☆ داستان کی تعریف، خصوصیات اور اردو ادب میں اس کی روایت کو سمجھنا
- ☆ میر امّن دہلوی کی زندگی، ادبی خدمات اور ان کے نثری اسلوب سے واقفیت حاصل کرنا
- ☆ ''باغ و بہار'' کے زیرِ مطالعہ منتخب حصے کا مفہوم، واقعات اور کرداروں کو بیان کرنا
- ☆ سبق میں پوشیدہ اخلاقی درس اور معاشرتی اقدار سے روشناس ہونا
- ☆ داستان کے اہم کرداروں اور ان کی امتیازی خصوصیات کا تجزیہ پیش کرنا

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانو ہو بیٹھا اور بولا:

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو!
میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم
ہے گا ہمارا درد نپٹ لا دوا سنو!

اے دَلق پوشو! یہ عاجز بادشاہ زادہ فارس کے ملک کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں، چناں چہ ''اصفہان، نصفِ جہان'' مشہور ہے۔ ہفت اِقلیم میں اس اِقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے، اور وہ ساتوں کواکب میں نیّرِ اعظم ہے۔ آب و ہوا وہاں کی خوش، اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو بادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے، قاعدے اور قانونِ سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے، بڑے بڑے دانا استاد، ہر ایک علم اور کسب کے چُن کر، میری اتالیقی کے لیے مقرر کیے تھے، تو تعلیمِ کامل ہر نوع کی پا کر، قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفت گو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق اور درکار ہے، سب حاصل کیا۔ اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصّے ہر ایک ملک کے اور احوال اولوالعزم بادشاہوں اور نام آوروں کا سُنا کروں۔

ایک روز ایک مصاحبِ دانا نے کہ خوب تواریخ داں اور جہاں دیدہ تھا، مذکور کیا کہ اگر چہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، لیکن اکثر

www.ilmkidunya.com

وصف ایسے ہیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائے گا۔ میں نے کہا: اگر تھوڑا سا احوال اس کا مفصل بیان کرو تو میں بھی سنوں اور اس پر عمل کروں۔ تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا کہ حاتم کے وقت میں ایک بادشاہِ عرب کا نوفل نام تھا۔ اس کو حاتم کے ساتھ بہ سبب نام آوری کے، دشمنی کمال ہوئی۔ بہت سا لشکر فوج جمع کر کر، لڑائی کی خاطر چڑھ آیا۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا، یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں تو خدا کے بندے مارے جائیں گے اور بڑی خوں ریزی ہوگی۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ بات سوچ کر تنِ تنہا اپنی جان لے کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا، جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی، سب اسباب گھر بار حاتم کا قُرق کیا اور منادی کروا دی کہ جو کوئی ڈھونڈ ھ ڈھانڈ ھ کر پکڑ لاوے پانچ سو اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پاوے، یہ سن کر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے۔

ایک روز ایک بوڑھا اور اُس کی بُڑھیا دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لیے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے، اس غار کے پاس، جہاں حاتم پوشیدہ تھا، پہنچے اور لکڑیاں اس جنگل سے چُننے لگے۔ بُڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے اور اس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا اور ہم آرام سے کھاتے، اس دُکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا: ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں تب لون روٹی میسّر آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے۔ لے اپنا کام کر۔ ہمارے ہاتھ حاتم کاہے کو آوے گا اور بادشاہ سے اتنے روپے دلاوے گا! عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چُپکی ہو رہی۔

یہ دونوں کی باتیں حاتم نے سُنیں۔ مردُمی اور مروّت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چُھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔ سچ ہے کہ اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں اور جس کے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں(۱)

غَرَض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سن کر چپکا ہو رہے۔ وونہیں (وہیں) باہر نکل آیا اور اس بوڑھے سے کہا کہ اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں، میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل۔ وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے تجھے دیوے گا۔ پیر مرد نے کہا: سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے، لیکن وہ کیا جانیے تجھ سے کیا سلوک کرے! اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ سے انسان کو اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کتنے دن کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا؟ آخر مر جاؤں گا، تب خدا کو کیا جواب دوں گا؟ حاتم نے بہتیری مِنّت کی کہ مجھے لے چل، مَیں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اس آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال کسی کے کام آوے تو بہتر ہے، لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لے جاوے، اور انعام پاوے۔

۱۔ خواجہ میر دردؔ

آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا: اگر تُو مجھے یوں نہیں لے جاتا تو میں آپ سے آپ بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چُھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا: بھلائی کے بدلے بُرائی ملے، تو یا نصیب! اس ردّ و بدل کے سوال جواب میں آدمی اور بھی آن پہنچے، بھیڑ لگ گئی۔ انھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے، تُرت پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا۔

جب نوفل کے رُو بہ رُو لے گئے، اس نے پوچھا کہ اس کو کون پکڑ لایا؟ ایک بدذات سنگ دل بولا کہ ایسا کام سوائے ہمارے کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے، ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے۔ ایک اور ڈِینگ مارنے لگا کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر، جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجیے اور جو قرار ہے سو دیجیے۔ اس طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھ سے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا، سب کی شیخیاں سُن رہا تھا اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا۔

جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی سب کہ چکے تب حاتم نے بادشاہ سے کہا: اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے، مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچان جانتے ہو تو دریافت کر و اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے پورا کرو کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہیے جو کہے، سو کرے۔ نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟

نوفل نے اس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا: سچ بتا کہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اس بچارے نے سر سے پاؤں تک جو گزرا تھا راست کہ سنایا اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے۔ نوفل یہ ہمت حاتم کی سن کر متعجب ہوا کہ بل بے تیری سخاوت! اپنی جان کا خطرہ بھی نہ کیا۔ جتنے جھوٹ دعوے حاتم کو پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم کیا کہ ان کی ٹُنڈیاں کس کر پان سو (پانچ سو) اشرفی کے بدلے پان پان سَے جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ، کہ ان کی بھی جان نکل پڑے۔ وونہیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر اُن کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے: جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اس کو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں، لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض ان سب کو، موافق ان کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم جیسے شخص سے (کہ ایک عالم کو اس سے فیض پہنچتا ہے اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اس کا مدّعی ہونا آدمیت اور جواں مردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا ”کیوں نہ ہو، جب ایسے ہو، تب ایسے ہو۔“ تواضُع، تعظیم کر کے پاس بٹھلایا اور حاتم کا مُلک و اِملاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، وونہیں چھوڑ دیا۔ نئے سرے سے سرداری قبیلہ طے کی اُسے دی۔ اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوا دیں۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گزرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا، جس نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تک مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں، اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دنیا میں کوئی کام، بڑا داد و دہش سے نہیں؛ اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے اس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک

www.ilmkidunya.com

دانہ بوتا ہے تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میرِ عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ایک مکانِ عالی شان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں، باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارتِ وسیع، جیسا دل چاہتا تھا، بن کر تیار ہوئی۔ اور اس مکان میں ہر روز، ہر وقت، فجر سے شام تک، محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا، اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا، میں اسے مالا مال کرتا۔

غرض چالیسوں دروازے سے حاجت مند آتے اور جو چاہتے سو لے جاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا اور سوال کیا۔ میں نے اسے ایک اشرفی دی۔ پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا۔ دو اشرفیاں مانگیں، میں نے پہچان کر درگزر کی اور دیں۔ اسی طرح اس نے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا اور میں بھی جان بوجھ کر انجان ہوا اور اس کے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آ کر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی میں نے دلوا دیں۔ اتنا کچھ لے کر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت برا معلوم ہوا۔ میں نے کہا: سن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں۔ فقیر کا عمل ان پر چاہیے۔ فقیر بولا: بھلا داتا! تمھیں بتاؤ۔ میں نے کہا: ف سے فاقہ، ق سے قناعت، ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے اس کو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا لے جائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے نہ کہ جمع کرنے کے لیے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیاں تک لیں۔ اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں اور اِس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی! اتنا مال جمع کر کر، کیا کرے گا؟ فقیر کو چاہیے کہ ایک روز کی فکر کرے، دوسرے دن پھر نئی روزی رزّاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟

یہ میری بات سن کر خفا اور بد دماغ ہوا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا، سب زمین میں ڈال دیا اور بولا: بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو۔ پھر سخاوت کا نام نہ لیجو، سخی ہونا بہت مشکل ہے۔ تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے، اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دِلّی دور ہے! ''سخی'' کے بھی تین حرف ہیں، پہلے ان پر عمل کرو، تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا: بھلا داتا! اس کے معنے مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا: س سے سمائی، خ سے خوفِ الٰہی اور ی سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہو لے تو سخاوت کا نام نہ لے۔ اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی بادشاہ زادی کے، کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے۔ اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ سن کر میں نے بہت مِنّت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیے سو لو۔ میرا دیا ہرگز نہ لیا، اور یہ بات کہتا ہوا چلا:

''اب اگر اپنی ساری بادشاہت مجھے دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں۔''

(باغ و بہار)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) دوسرے درویش نے ملکِ فارس کے بارے میں کیا بتایا؟

(ب) دوسرے درویش کے والد نے کس طرح بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی؟

(ج) دوسرے درویش کے مطابق حاتم طائی کا قصہ کس نے سنایا تھا؟

(د) جنگل سے لکڑیاں چُننے والا بوڑھا اور بڑھیا کیا گفت گو کر رہے تھے؟

(ہ) حاتم طائی نے لکڑہارے کی گفت گو سن کر کیا فیصلہ کیا؟

۲۔ سبق کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں:

(الف) دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت آئی تو وہ بیٹھا:

(i) اکڑوں (ii) سیدھا (iii) چارزانو (iv) دوزانو

(ب) دوسرے درویش نے اپنی سیر کا احوال سنایا:

(i) اشعار پڑھ کر (ii) اقوال پڑھ کر (iii) احوال و آثار پڑھ کر (iv) اخبار پڑھ کر

(ج) ہفت اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں کہ وہاں کا ستارا ہے:

(i) زہرا (ii) عطارد (iii) آفتاب (iv) ماہ تاب

(د) حاتم طائی کے وقت میں عرب کا بادشاہ تھا:

(i) قارون (ii) نوفل (iii) سکندر (iv) نوشیرواں

(ہ) بادشاہ کی سرکار سے انعام پانے کے لالچ میں سب جستجو کرنے لگے:

(i) لکڑہارے کی (ii) حاتم طائی کی (iii) شہزادے کی (iv) بادشاہ کے وزیر کی

۳۔ درج ذیل بیانات درست ہیں یا غلط نشان دہی کریں:

(الف) اے دلق پوشو! یہ عاجز بادشاہ زادہ چین کے ملک کا ہے۔ درست غلط

(ب) ''اصفہان، نصفِ جہان'' مشہور ہے۔ درست غلط

(ج) آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع ہوتے ہیں۔ درست غلط

www.ilmkidunya.com

(د) عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چُپکی ہو رہی۔ درست غلط

(ہ) سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں۔ درست غلط

۴۔ زیرِ مطالعہ سبق کا خلاصہ تحریر کریں۔

۵۔ حاتم طائی کے کردار پر اظہارِ خیال کریں۔

۶۔ ذیل میں دیے گئے الفاظ کے کسی مستند لغات سے مطالب تلاش کریں:

چارزانو، دلق پوش، ہفت اقلیم، ولایت، کواکب،
اولوالعزم، قُرق، طمع، دلاوری، تفاوت

۷۔ اس سبق میں استعمال ہونے والی تراکیب اور مرکبات کی فہرست بنائیں اور ان کا مفہوم لکھیں۔

۸۔ اس سبق کی روشنی میں 'فقر' اور 'سخی' کے الفاظ کی حرف بہ حرف وضاحت کریں۔

۹۔ تلمیح کی تعریف بیان کریں اور درج ذیل تلمیحات کی وضاحت کریں:

صبرِ ایوبؑ، گریۂ یعقوبؑ، اورنگِ سلیمانؑ، طائرِ سدرہ، چاہِ یوسفؑ

۱۰۔ سبق کے سیاق و سباق کی روشنی میں درج ذیل بیانات کی تشریح کریں۔

(الف) آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔

(ب) مرُدمی اور مروّت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔

(ج) تواضع، تعظیم کر کے پاس بٹھلایا اور حاتم کا مُلک و اِملاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا وہیں چھوڑ دیا۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ لائبریری سے رجب علی بیگ سرور کی کتاب "فسانۂ عجائب" جاری کروائیں اور اس کا موازنہ میر امّن کی "باغ و بہار" سے کریں۔

☆ داستان گوئی کی کوئی محفل انٹرنیٹ سے سن کر طلبہ جماعت میں اس کے اہم نکات بیان کریں۔

☆ "جمہوری رویے" کے موضوع پر ایک تقریر تیار کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ میر امّن دہلوی کی شہرۂ آفاق داستان "باغ و بہار" کی اہمیت (سادہ اور رواں نثر کی بنیاد) پر روشنی ڈالیں۔

☆ داستانی ادب کا مختصر تعارف پیش کریں۔

☆ داستان کے عناصر (پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری) کی وضاحت کریں۔

☆ قدیم اور جدید نثری اسالیب کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

www.ilmkidunya.com

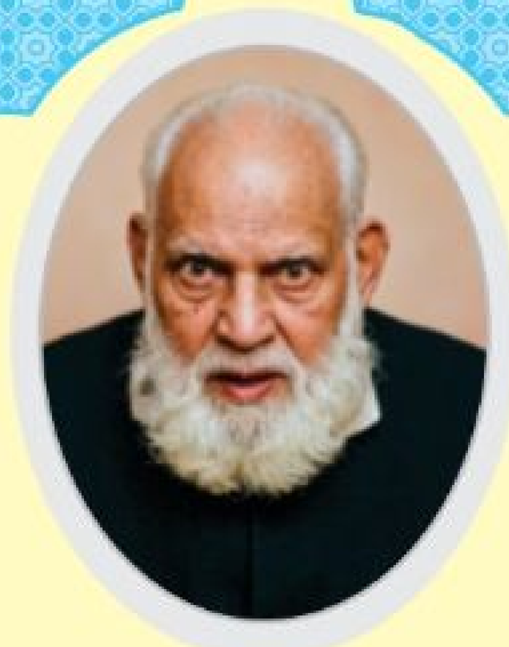

پروفیسر انور رومان
(۱۹۲۴ء ۔ ۲۰۱۳ء)

پروفیسر انور رومان بلوچستان کے ایک مایہ ناز ماہرِ تعلیم، معروف محقق، افسانہ نگار، مؤرخ، شاعر، اور مترجم تھے۔ انھیں اردو میں نثری نظم کے ابتدائی علمبرداروں میں شامل کیا جاتا اور بلوچستان میں اس صنف کا پہلا شاعر مانا جاتا ہے۔ انھوں نے نثری نظم کے ساتھ ساتھ دیگر اصناف، خاص طور پر پشتو اور پنجابی زبانوں کی شاعری میں بھی طبع آزمائی کی۔ انور رومان نے بلوچستان میں اردو ادب، بالخصوص جدید نظم کو ایک نئی جہت سے روشناس کروایا۔ ان کی شاعری میں رومانیت، تاریخی شعور اور سماجی مسائل کی جھلک ملتی ہے۔ انھوں نے بلوچستان کی ثقافت و سماجی مسائل کو اپنے فن میں نمایاں کیا۔ پروفیسر انور رومان کی زندگی علم، تحقیق اور تخلیقی ادب کی خدمت کا ایک روشن باب ہے۔ وہ بلوچستان کے ادبی ورثے کے معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔

پروفیسر انور رومان ہندوستان کے شہر جالندھر کے قریب واقع ایک چھوٹے سے قصبے ''کنیاں کلاں'' میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مشرقی پنجاب سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انھوں نے لاہور کی پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے تاریخ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، انور رومان کوئٹہ (بلوچستان) آگئے اور ایک ہائی سکول میں بطور استاد مقرر ہوئے۔ ان کی قابلیت کے باعث انھیں ترقی ملتی رہی۔ وہ محکمہ تعلیم بلوچستان میں بہ طور پرنسپل، ڈپٹی ڈائریکٹر اور ڈائریکٹر کالجز بھی تعینات رہے۔ انھوں نے بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔

پروفیسر انور رومان نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز مشہور شاعر جوش ملیح آبادی کے رسالے میں مضامین لکھ کر کیا۔ انھوں نے ۲۰۱۳ء میں تقریباً ۸۹ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر تقریباً چالیس کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصانیف میں براہوی زبان اور ثقافت پر گراں قدر تحقیقی کام شامل ہے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۰

بہادر خان کی سرگزشت

تدریسی مقاصد:

☆ براہوی لوک ادب اور اس کی روایت سے آگاہی حاصل کرنا
☆ کہانی کے مرکزی کردار بہادر خاں کی شخصیت اور اس کی نمایاں ضروریات سے روشناس ہونا
☆ لوک کہانیوں کی اہمیت اور ان کے معاشرتی و ثقافتی پس منظر سے واقف ہونا
☆ قومی اور علاقائی ثقافت سے لگاؤ اور وابستگی پیدا کرنا
☆ طلبہ میں زبان دانی اور اظہارِ خیال کی صلاحیت پیدا کرنا

www.ilmkidunya.com

بہادر خان ایک کھاتا پیتا کسان تھا۔ بارش نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ کاریز کے پانی کی مدد سے اپنے کھیتوں میں اتنی سیرابی کر لیتا تھا کہ نہ صرف اپنے لیے سال بھر کے غلے کا خرچ پورا کر لیتا بلکہ اپنے ہمسایوں اور غریب غربا کی مدد بھی کر دیتا۔ جب کاریزوں میں پانی تھوڑا ہوتا تو بھی اس کو کسی دوسرے زمیندار کی مزارعت نہ کرنا پڑتی تھی۔ اس کی اس معاشی آزادی کی وجہ سے اس میں کافی خودداری تھی اور اس کی بانٹ چونٹ کر کھانے کی عادت نے اردگرد میں اسے کافی نیک نامی دے رکھی تھی۔ لہٰذا اس کی شادی نہایت آسانی اور دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ اپنے کھیتوں اور فصلوں کی پرورش میں بے حد محنت کرتا تھا۔ گندم کے خوشوں کے لیے وہ ایک باپ سے کم نہ تھا۔ وہ ایک ایک خوشے کو گنتا تھا، اس کے لیے دعا مانگتا تھا اور اسے جانتا تھا۔ جب سبز خوشے اناج سے بھر کر سنہری ہو جاتے تھے اور اپنے سر ایک طرف کو جھکا لیتے تھے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ان خوشوں کو اپنے وجود کا احساس ہے، یہ اپنے مالک کو جانتے اور پہچانتے ہیں، ان میں زندگی کی مسرتیں اور قہقہے ملفوف ہیں اور جو ان سے پیار کرتا ہے، یہ اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور ایک ایک کی جگہ دو دو پھوٹتے ہیں۔

شادی کے بعد اس کے معمول میں تھوڑا سا فرق آنا لازمی تھا۔ شادی سے پہلے اسے پسند نہ تھا کہ کوئی اور اس کے کھیتوں کے ان خوشوں کو چھو بھی لے۔ ان سے اس کی محبت بڑی خود غرض، والہانہ اور حاسدانہ تھی لیکن جب شادی ہو گئی تو وہ سوچنے لگا کہ بونے کاٹنے کے لیے ایک نوکر رکھ لے۔ یہ نوکر بھی اسے اس کی منشا کے مطابق مل گیا۔ وہ ہر وقت کھیتوں سے فالتو گھاس اور کائی وغیرہ صاف کرتا، وقت پر پانی دیتا، بیلوں کو چارا ڈالتا اور فصلوں کی خاطر تواضع میں لگا رہتا تھا۔ بس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ حقے کے دو چار کش لگا تا تھا۔ یہی اس کی عیاشی تھی اور پھر جن کی طرح کام کرتا تھا۔ خدا کے فضل سے ان دنوں بارش خوب ہوئی اور بہادر خان کے بنجر کھیت بھی پانی سے بھر گئے۔ نوکر نے ان کھیتوں میں بھی گندم بودی جو چند ماہ بعد پک کر تیار ہو گئی۔ بہادر خان نے جب پوری گندم کو کٹوایا اور خاردار جھاڑیوں کے پاس جوہان (کھلیان) لگوا دیا تو

گاؤں کے سب لوگ راہ گیر اور اردگرد کے دیہات کے باشندے اسے دیکھنے آتے اور اسے کہتے ''بہادر خان! تُو بہت اونچے ستارے والا ہے، تجھے بیوی بھی سلیقے والی ملی ہے اور تیرا نوکر بھی اچھے شگون والا ہے۔'' وہ خود اس وسیع انبار کو آنکھ بھر کر دیکھتا تو سر سے پیر تک ایک خاموش قہقہہ بن جاتا۔ لیکن کچھ خوف، کچھ نامعلوم ڈر، کچھ بے نام سے شکوک اس کے دل و دماغ میں رینگتے۔ وہ سوچتا جب غریب آدمی باسی ٹکڑوں کو ترستا ہے تو وہ کسی کے لیے خطرہ نہیں ہوتا۔ لیکن جونہی اسے دو وقت کی روٹی میسر آنے لگتی ہے وہ خطرہ بن جاتا ہے اور جب اس کا گھر بھر جائے تو پھر زمین اور آسمان کی ساری طاقتیں اس کے درپے ہو جاتی ہیں اور وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا: ''خدایا! یہ سب تیری دین ہے۔''

چناں چہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ خود بھی نوکر کے ہمراہ جوہان کے پاس ٹھہرا کرے گا۔ مبادا نوکر کی نیّت خراب ہو جائے یا قزّاق ہی اسے لُوٹ لیں۔ بیوی نے اس سے اتفاق کیا۔ بہادر خان اور نوکر وہیں رہنے لگے۔ بیوی ہر صبح اور شام ان کا کھانا وہاں دے آتی۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے حتیٰ کہ ایک شام جب اس کی بیوی آندھی چلنے کی وجہ سے کھانا وقت سے پہلے دے کر جا چکی تھی، اس کا ایک دور کا سیال (رشتے دار) وہیں کھیت میں اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس کے چچا زاد بھائی لشکران کی شادی تھی جس پر وہ بلاوا لے کر آیا ہے۔ بہادر خان نے سوچا کہ ایسے مواقع بار بار تھوڑا ہی آتے ہیں۔ چناں چہ اس نے بلاوے پر جانا منظور کر لیا۔ اس کی جیب میں سو روپیا تھا جو شادی کے لیے کافی تھا۔ اس نے نوکر کو سمجھا دیا کہ وہ انبار کی حفاظت کرتا رہے اور اس کے جانے کی بابت کسی سے ذکر نہ کرے مبادا چور اُچکے اسے تنہا سمجھ کر اس پر پل پڑیں اور گھر سے جو روٹی آئے وہ کھا لیا کرے۔ اس کے بعد بہادر خان اپنے سیال کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

نوکر ایک زبردست چلم کش تھا اور خصوصاً فرصت کے اوقات میں تو وہ اپنے حقّے سے ایک لمحہ بھی جدا نہ ہوتا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے خس و خاشاک جمع کر کے آگ سلگائی۔ اگرچہ وہ کافی فاصلے پر جھاڑیوں کے وسط میں بیٹھا تھا تاہم ایک غضب ناک بگولے نے اس آگ کے کچھ انگارے اٹھا کر جوہان میں پھینک دیے۔ جوہان کو آناً فاناً آگ لگ گئی تو نوکر گندم کو بچانے کے لیے دوڑا لیکن وہ خود بھی آگ کی بل کھاتی ہوئی لپٹوں کی نذر ہو گیا۔ اگلی صبح بہادر خان کی بیوی روٹی لے کر جو آئی تو اس نے دیکھا کہ بہادر خان جوہان سمیت جل گیا تھا۔ وہ روتی پیٹتی واپس آ گئی اور اپنے سیالوں کو بتایا۔ وہ جلے ہوئے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر کھاٹ پر ڈال کر لے گئے اور ایک قبرستان میں دفن کر آئے۔

کچھ دن بعد بہادر خان اپنی سیال داریوں سے خلاصی پا کر اپنے گھر کو واپس ہوا اور نیم شب کے قریب گھر پہنچا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی بیوی ماتم کر رہی ہے اور رو رہی ہے۔ بیوی نے اسے دیکھ لیا اور سمجھی کہ اس کا شوہر مردہ سے زندہ ہو کر واپس آیا ہے تاکہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ پس اس نے ایک چیخ ماری اور سارے تومان (قبیلے) کو بتانے کے لیے باہر بھاگی۔ ہر شخص کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ بہت سے پہاڑوں میں چُھپ گئے۔ کچھ نے اپنے کندھوں پر اپنی اپنی بندوقیں رکھ لیں۔ کچھ نے بغلوں میں تلواریں لٹکا لیں اور سینوں پر ڈھال جما لیے اور بہت سوں نے ڈنڈے سنبھال لیے اور ''جوانو! پکڑ لو، جانے نہ پائے'' کہ کر بے چارے بہادر خان کا تعاقب کرنے لگے۔ بہادر خان چاروناچار بھوکا اور پیاسا ایک قبرستان میں شب بسری کے لیے چُھپ گیا اور تارے گن گن کر صبح کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر لوگوں نے اسے بھُوت پریت کیوں سمجھا۔ شاید اس لیے کہ وہ رات کے وقت اپنے گھر پہنچا تھا۔ بہر حال اسے یقین تھا کہ اس کے لوگ صبح کو اس کو پہچان لیں گے۔ اس امید پر اس نے رات مُردوں کے قریب گزار دی۔

صبح صبح وہ زور کی بھوک کے مارے اپنے گاؤں میں پھر داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مسجد میں مُلاّ اذان کہنے کے لیے اپنے ہاتھ کانوں تک

www.ilmkidunya.com

اٹھائے ہوئے تھا۔ بہادر خان نے کہا: ''مَیں بھوکا ہوں۔'' مُلّا بہادر خان کو دیکھ کر اتنا خوف زدہ ہوگیا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور زمین پر لوٹ کر مر گیا اور لوگ یہ دیکھ کر اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ بہادر خان کو اس سبب سے پھر قبرستان میں لوٹنا پڑا۔ تھوڑے عرصے کے بعد لوگ مُلّا کو قبرستان لائے اور اسے دفن کر دیا۔ ان کے پاس آپس میں تقسیم کرنے کے لیے کھجوریں تھیں۔ مُلّا کے باپ نے پوچھا: انھیں کتنے آدمیوں میں تقسیم کرنا ہے؟ کسی نے جواب دیا: ''سو آدمیوں میں۔'' عین اس وقت بہادر خان نے بھوک سے بے تاب ہو کر ایک قبر کے عقب سے نعرہ لگایا: سو آدمیوں کو دے دو لیکن پہلے میرا حصہ دو۔ بہادر خان کی آواز سن کر لوگوں نے کھجوریں اور کھاٹ وہیں چھوڑے، بلکہ بہت سوں کی جوتیاں بھی رہ گئیں اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ کچھ چیختے چلاتے پہاڑوں میں چھپ گئے اور کچھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے جاتے تھے اور پیچھے دیکھتے جاتے تھے۔ بہادر خان کے خوف کی وجہ سے وہ گھروں میں پہنچ گئے اور توبہ کی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے۔ بہادر خان نے سب لوگوں کو بھاگتے دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دیا اور کھجوریں کھانے لگا۔ اس نے دل میں کہا: ''میرے خدا! میں نے کیا گناہ کیا ہے، میرے گاؤں کے لوگ مجھے مردہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے روپوشی اختیار کرتے ہیں، میری بیوی میرے سائے سے بھی گریز کرتی ہے۔''

آدھی رات کے قریب، جب کہ بہادر خان ایک قبر کے عقب میں بیٹھا قسمت کو کوستے کوستے اونگھ رہا تھا، ایک سیاہ پوش خوف ناک سا انسان قبرستان میں داخل ہوا اور سیدھا مُلّا کی قبر پر آ کر کھڑا ہوگیا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے کچھ پڑھا۔ قبر شق ہوگئی اور مُلّا کی لاش گھٹنوں تک باہر آگئی۔ بہادر خان سمجھ گیا کہ یہ کوئی جادوگر ہے جو تازہ لاشوں پر اپنے جادو کے تجربے کرتا ہے۔ چناں چہ اس نے سوچا کہ وہ جادوگر کو پکڑ کر اس سے جادو سیکھ لے۔ اس خیال سے وہ کٹے مَٹّے (چپکے چپکے) جادوگر کے پیچھے آیا اور پھر یکبارگی لپک کر اس نے اسے قابو کر لیا۔ جادوگر چلّایا: ''مجھے چھوڑ دو۔'' بہادر خان نے کہا: ''مجھے اپنا عجیب و غریب سحر سکھاؤ تو چھوڑوں گا۔'' جادوگر نے کہا: ''مجھے چھوڑ دو تو میں سکھا دوں گا۔''

آخر بہادر خان نے لیت و لعل کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ جادوگر نے فوراً کوئی منتر پھونکا کہ بہادر خان جدھر جائے مُلّا بھی اس کے پیچھے پیچھے ادھر ہی جائے۔ جادوگر تو اس کے بعد غائب ہوگیا لیکن مُلّا سائے کی طرح بہادر خان کے ساتھ چپک گیا۔ وہ جدھر جاتا مُلّا بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتا۔ بہادر خان نے سوچا: ''میں نے اپنے اوپر ایک اور عذاب مسلّط کر لیا کہ میں جدھر جاتا ہوں مُلّا بھی ادھر ہی جاتا ہے۔ لوگ مجھے دیکھ کر ڈر رہے ہیں کہ میں نے مردہ مُلّا کو زندہ کر دیا ہے۔''

ایک دفعہ بہادر خان بھوکا تھا۔ اس نے سوچا کہ میں فلاں فلاں پالیز (باغ) میں چلتا ہوں جو قریب ہی ہے، وہاں سے کچھ خربوزے اور تربوز چُرا کر کھاتا ہوں۔ چناں چہ وہ روانہ ہوا لیکن اس نے دیکھا کہ مُلّا بھی آ رہا ہے۔ اس نے کہا: ''خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ لوگ تو مجھ سے پہلے ہی بھاگتے ہیں۔ تمھیں دیکھ کر اور بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔'' مُلّا یہ سن کر تھوڑا سا ٹھٹکا لیکن جونہی بہادر خان چلنے لگا مُلّا بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ بہادر خان نے مُلّا کی خوب مرمت کی لیکن اس کے باوجود بہادر خان کے پیچھے لگا رہا۔ بہادر خان نے اسے خوب زد و کوب کیا لیکن مُلّا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر غصے سے بے تاب ہو کر اس نے مُلّا کو قبرستان میں واپس لا کر اس کھاٹ سے باندھ دیا جس پر مُلّا کی لاش آئی تھی اور کہنے لگا: ''اب ہلو تو میں تمھیں دیکھوں گا۔'' اس کے بعد وہ روانہ ہوا۔

مُلّا نے جب دیکھا کہ بہادر خان جا رہا ہے تو اس نے زور لگایا اور ایک جھٹکے سے کھاٹ سمیت کھٹ کھٹ، کھٹ کھٹ کرتا ہوا بہادر خان

www.ilmkidunya.com

کے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے دیکھا کہ مُلّا بہت تیزی سے اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو اس نے پیچ و تاب کھایا لیکن سخت جان مُلّا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بہادر خان ناچار ہو کر کھیت میں گیا جہاں پانی دینے کے لیے ایک بڑا آبی چرخہ نصب تھا، وہاں مُلّا کو کھاٹ سمیت کھڑا کر کے اس نے کہا: ''تم ذرا یہاں ٹھہرو میں کچھ خربوزے اور تربوز توڑ لاؤں، مَیں تمھیں بھی دوں گا اور کچھ میں بھی کھاؤں گا۔'' وہ چلا لیکن مُلّا بھی حرکت میں آ گیا۔

آخر بہادر خان نے مُلّا کو کھاٹ سمیت آبی چرخے سے مضبوط طریقے سے باندھ دیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے پالیز (باغ) میں داخل ہو گیا۔ مُلّا نے بہادر خان کو جاتے دیکھ کر زور مارا اور ایک زبردست جھٹکا دے کر چرخے اور کھاٹ سمیت اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ بہادر خان نے دیکھا تو اس نے کہا: ''خدارا! میرا پیچھا چھوڑ دے۔'' اس کے بعد بہادر خان آگے چلا۔ مُلّا بھی پیچھے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے کہا: ''او بھائی! میں بھوکا ہوں، مجھے تنہا چھوڑ دے، میں کچھ خربوزے اور تربوز توڑ لاؤں اور ہم دونوں کھائیں گے، یہیں کھڑا رہ''۔ لیکن وہ آسیب کی طرح اس کے پیچھے رہا۔ بہادر خان جھاڑیوں میں چھپتا ہوا باغ میں پہنچا۔ مُلّا بھی پیچھے پیچھے آیا۔ بہادر خان نے جلدی جلدی کچھ خربوزے توڑے۔ پالیز دان (مالی) نے دیکھا کہ بہادر خان اور مُلّا خربوزے توڑ رہے ہیں تو وہ چیختا ہوا بھاگا اور لوگوں کو بتانے لگا کہ بہادر خان اور مُلّا ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں اور شہریوں اور غریبوں کا مال بزورِ ہتھیار رہے ہیں۔ لوگ اور بھی خوف زدہ ہو گئے۔

ایک دن بہادر خان نے دور سے دیکھا کہ ایک آدمی بیل پر بیٹھا ہوا روٹی کھاتا آ رہا ہے۔ چناں چہ وہ اس کی طرف چلا اور اس سے کہا: ''بندۂ خدا! مجھے روٹی دو میں بھوکا ہوں۔'' بیل سوار نے بہادر خان اور مُلّا کو دیکھا تو وہ وحشت زدہ ہو کر بیل سے گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ بہادر خان نے روٹی لے لی اور دونوں اسے کھاتے ہوئے واپس قبرستان آ گئے۔

کچھ دن بعد گاؤں کے رئیس کی پوشاک مَیلی ہوئی تو اس نے اپنے دھوبی سے کہا: ''میرے کپڑے ندی پر لے جاؤ اور صاف کر لاؤ۔'' دھوبی نے کہا: ''حضور! بہادر خان مع مُلّا زندہ ہو گیا ہے اور دونوں چرخے اور کھاٹ سمیت ادھر اُدھر دندناتے پھرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے ندی پر دیکھ لیں اور پکڑ کر مار نہ دیں، اس لیے میں نہیں جاؤں گا۔'' رئیس نے کہا: ''میں تمھاری حفاظت کے لیے تین مسلح سوار بھیج دیتا ہوں۔'' اس پر دھوبی رضامند ہو گیا۔ اس نے کپڑے لیے اور سواروں کی معیت میں اپنے گدھے پر بیٹھ کر ندی پر آیا۔ سواروں نے اپنے گھوڑے رسیوں سے مضبوط باندھ دیے اور دھوبی کی پہرے داری کرتے رہے۔ دریں اثنا، بہادر خان کو پیاس لگی اور وہ ندی کی طرف چلا۔ اس کے پیچھے مُلّا بھی آنے لگا۔ بہادر خان نے کہا: ''اے مُلّا! کیوں ظلم کرتے ہو، خدا سے ڈرو اور یہیں ٹھہرو تاکہ میں پانی پی آؤں، مَیں ابھی تمھارے پاس لوٹ آؤں گا۔'' لیکن مُلّا تو بے دھڑک تھا، اس کے قدم کہاں رُکتے تھے۔ بہادر خان ندی پر آیا اور جھک کر پانی پینے لگا۔ مُلّا بھی وہیں آ دھمکا۔ دھوبی کی نگاہ جو اس پر پڑی تو وہ چلّایا: ''سپاہیو! بہادر خان مع مُلّا آ گیا ہے۔'' سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ بے لگام گھوڑوں پر چڑھے۔ دھوبی نے کپڑے وہیں چھوڑ دیے اور گدھے پر بیٹھ کر لٹھ مار مار کر اسے گاؤں کی طرف ہانکنے لگا تاکہ جلد از جلد گاؤں والوں کو خبردار کرے۔ سواروں نے گھوڑوں کو یکے بعد دیگرے چابک مارے۔ انھوں نے گھوڑوں کی گردن کے رسے تو کھول دیے تھے لیکن گھبراہٹ میں ایڑیوں کے رسے کھولنا بھول گئے تھے۔ اس وجہ سے گھوڑے ان رسوں اور میخوں کی وجہ سے دوڑتے دوڑتے گر گئے۔ سپاہی انھیں مار رہے تھے اور اس بھاگڑ میں میخیں اکھڑ اکھڑ کر ان کے سروں پر لگ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کے سر، چہرے اور کان لہولہان

www.ilmkidunya.com

ہو گئے ۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ان میں سے دو مر گئے اور صرف ایک زندہ واپس آیا۔ اس نے رئیس کو اپنی کہانی سنائی اور اپنے زخم دکھائے۔ دھوبی نے توبہ کی کہ وہ پھر کبھی باہر نہ جائے گا۔

بہادر خان نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ سوچنے لگا: ''یا خدایا! میں کیا کروں، ندی میں ڈوب مروں یا پتھروں سے اپنا سر پھوڑ لوں؟ مَیں اپنے عزیز و اقارب کے لیے بیگانہ ہو گیا ہوں۔ میرے اپنے تُمن (قبیلے) کے لوگ مجھ سے گریزاں ہیں اور یہ مُلّا ایک آسیب کی طرح مجھ سے چمٹا ہوا ہے۔ کاش! میں اس شادی پر نہ گیا ہوتا!'' وہ اسی طرح سوچتے سوچتے قبرستان واپس آ گیا۔ اس کے لیے وقت کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک پہاڑ بن گیا۔ اس کے دماغ میں رینگتا ہوا ہر خیال اس کی رگوں میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ ''آخر اس نے کون سا گناہ کیا تھا جس کی پاداش میں وہ اس مصیبت میں پھنس گیا اور مصیبت جب شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا ہی نظر نہ آتی تھی۔'' وہ اسی طرح نہ جانے کب تک اور کیا کیا سوچتا رہا۔ آدھی رات کے وقت جادوگر پھر قبرستان میں آیا۔ وہ اسے پکڑنے کے لیے لپکا۔ مُلّا بھی اس کے پیچھے چلا۔

بہادر خان نے کہا: ''او بھائی! ذرا صبر کر'' اور وہ تیز تیز چلتا ہوا جادوگر کے پیچھے پہنچا اور لپک کر اسے پکڑ لیا اور کہنے لگا: ''میں تمھیں ہر گز زندہ نہ چھوڑوں گا اگر تم نے مُلّا کو مجھ سے علیحدہ نہ کیا۔'' جادوگر نے بہت لیت ولعل کیا لیکن بہادر خان ڈٹا رہا اور کہنے لگا: ''اس دفعہ کوئی رعایت نہ ہوگی۔ مُلّا کو فوراً قبر میں واپس کر دو۔'' چنانچہ جادوگر نے ملّا کو دوبارہ اس کی قبر میں ڈال دیا اور خود قبرستان سے چلا گیا۔

اب بہادر خان اپنے ان سیالوں (رشتے داروں) کی طرف چلا جن کی شادی میں وہ گیا تھا۔ اس نے ان سے سب کچھ کہا اور درخواست کی: ''میرے گاؤں والے مجھے مردہ سمجھتے ہیں اس لیے میرے ساتھ چلو اور انھیں بتا دو کہ تمھاری شادی میں آیا تھا۔ چناں چہ وہ اسے لے کر بہادر خان کے گاؤں آئے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے باہر نکلے۔ اس کے رشتہ دار نے رئیس، بہادر خان کی بیوی اور اس کے دوسرے رشتہ داروں کو بلایا اور سمجھایا کہ جسے تم مردہ سمجھتے ہو وہ تو اس کا نوکر تھا۔ بہادر خان تو اس دن شادی میں گیا ہوا تھا۔ وہ سمجھا کر واپس چلا گیا۔ لوگ بہادر خان سے خوش ہو گئے اور وفورِ مسرت سے ناچ ناچ کر پکارنے لگے: ''ہم نے حاصل کر لیا، ہم آزاد ہو گئے، ہم تمھیں سلام کرتے ہیں۔''

(براہوی کی لوک کہانیاں)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) بہادر خان اپنے کھیتوں اور فصلوں کی کیسے پرورش اور دیکھ بھال کرتا تھا؟

(ب) شادی کے بعد بہادر خان کے معمولات میں کیا تبدیلی آئی؟

(ج) دیہات کے باشندے بہادر خان کو یہ کیوں کہتے کہ بہادر خان! تو بہت اُونچے ستارے والا ہے۔

(د) بہادر خان کے کھیت کھلیان میں آگ کیوں لگی؟

(ہ) بہادر خان کے زندہ ہونے کا گاؤں والوں کو کیسے علم ہوا؟

۲۔ درج ذیل کثیرالانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) بہادر خان کی خودداری کی وجہ تھی:

(الف) سماجی آزادی (ب) معاشی آزادی (ج) مذہبی آزادی (د) کوئی نہیں

(ii) بہادر خان بارش نہ ہونے کی صورت میں اپنے کھیتوں کو سیراب کرتا تھا:

(الف) بارش سے (ب) سمندر سے (ج) کاریز سے (د) نہر سے

(iii) بہادر خان کی شادی ہوئی:

(الف) سادگی سے (ب) دھوم دھام سے (ج) آسانی سے (د) مشکل سے

(iv) نوکر نے بہادر خان کے کھیتوں میں فصل بوئی:

(الف) باجرے کی (ب) چاول کی (ج) گندم کی (د) گنّے کی

(v) شادی پر جاتے وقت بہادر خان کی جیب میں روپے تھے:

(الف) پچاس روپے (ب) سو روپے (ج) پانچ سو روپے (د) ہزار روپے

۳۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

ضرب المثل:

ضرب المثل عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی مثال دے کر کوئی بات بیان کرنے کے ہیں۔ ضرب المثل کو مقولہ یا کہاوت بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسے مختصر اور جامع جملے ہوتے ہیں۔ جو کسی خاص موقع پر تجربے یا مشاہدے کی بنیاد پر معاشرے میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ ان مثالوں میں گہری حکمت یا زندگی کا کوئی اصول پوشیدہ ہوتا ہے۔

ضرب المثل کی مثالیں:

ضرب المثل	معنی
آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا	بے وقوف لیکن مال دار شخص
اونٹ کے منہ میں زیرہ	بہت کم مقدار جو کسی کے لیے ناکافی ہو
فقیر کو کمبل ہی دوشالا ہے	غریب آدمی کو جو مل جائے وہی کافی ہوتا ہے
قہرِ درویش، برجانِ درویش	فقیر کا غصہ خود فقیر ہی کی جان پر اترتا ہے
پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں	ہر طرح سے مزے میں ہونا

www.ilmkidunya.com

۴۔ درج ذیل ضرب الامثال کی تکمیل کریں:

(الف) چور کی داڑھی میں ____ (ب) خدا گنجے کو ____ نہ دے

(ج) ڈوبتے کو ____ کا سہارا (د) رسّی جل گئی مگر ____ نہ گیا

(ہ) سدا ناؤ ____ کی بہتی نہیں (و) بھینس کے آگے ____ بجانا

۵۔ درج ذیل پیراگراف کا بامحاورہ اردو ترجمہ کریں:

The accumulative experience of human being is available in the form of knowledge, skills and attitudes. Language and literature are the most important factors which reflect and protect the culture of a society. Undu language emerged from the combination of Persian, Arabic, Turkish, Sanskrit and other local languages. During the last century, English has also contributed to the enrichment of Urdu. Gradually, Urdu is now becoming capable of accomodating ideas, words, feelings, emotions from other Western and Eastern cultures.

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ کی مدد سے شفیع عقیل کی کتاب "پنجابی لوک داستانیں" میں سے پنجابی لوک کہانی "سورج مکھی کا پھول" کا مطالعہ کریں۔

☆ کسی بھی انگریزی اخبار سے کسی مختصر خبر کا اُردو میں ترجمہ کریں اور جماعت میں پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ کو براہوی زبان اور بلوچستان کی لوک روایات کے بارے میں مختصر متعارف کرایا جائے۔

☆ لوک کہانی کی خصوصیات واضح کی جائیں۔

☆ کردار نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے سبق کے اہم اور نمایاں کرداروں پر گفت گو کی جائے۔

☆ سبق کے اخلاقی اور سماجی پہلوؤں کے حوالے سے طلبہ کے مابین گفت گو کا موقع دیا جائے۔

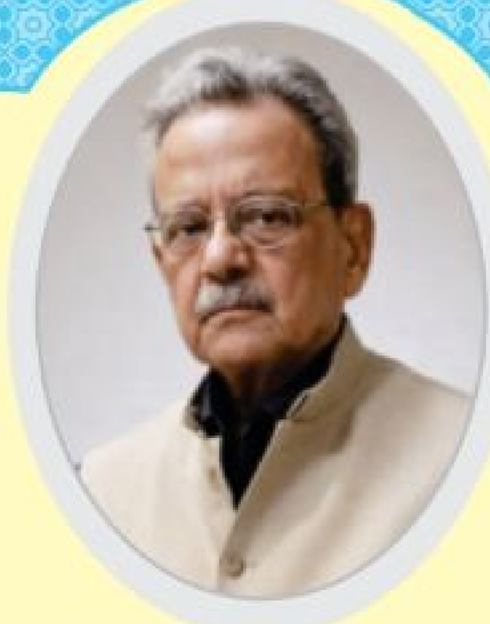

شمس الرحمٰن فاروقی
(۱۹۳۵ء-۲۰۲۰ء)

شمس الرحمٰن فاروقی اردو زبان وادب کے نابغۂ روزگار اور کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے صحافت، عروض، ترجمہ، تنقید و تحقیق، شاعری، ادب، لغت غرض اردو زبان و ادب کے کسی گوشے کو نہیں چھوڑا، ہر میدان میں اپنے جوہر دکھا کر خود کو منوالیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو پرتاب گڑھ، اتر پردیش، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان تعلیم سے وابستہ تھا۔ ان کے دادا حکیم مولوی محمد اصغر فاروقی معروف شاعر فراق گورکھپوری کے استاد تھے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ۱۹۵۵ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کیا۔ اور ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے لیکن بعد میں ہندوستان میں حکومتی سطح پر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ چالیس سے زائد اردو اور انگریزی کتابیں لکھیں۔ ان کا ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' اردو کا ایک شاہ کار تاریخی ناول مانا جاتا ہے۔ یہ ناول اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کی ہند، اسلامی تہذیب کی بازیافت کرتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے اردو ادب میں جدیدیت کی بنیاد رکھی اور تنقید کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں لائے۔ لسانی و لغت کے اعتبار سے اُن کی تصانیف میں لغاتِ روزمرّہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ سہ ماہی ''نئی کتاب'' کے صدرِ مجلس اور مجلّہ ''شب خون'' کی چالیس برس تک ادارت کی خدمات بھی سرانجام دیں۔ الہ آباد سے شائع ہونے والا یہ ماہنامہ اردو میں جدیدیت کا سب سے اہم پلیٹ فارم بنا۔ اس نے دو نسلوں کے ادیبوں کی رہنمائی کی اور نئے خیالات کو فروغ دیا۔ ان کی تصنیف ''شعر شور انگیز'' پر انھیں ۱۹۹۶ء میں برصغیر کے سب سے بڑے ادبی اعزاز ''سرسوتی سمان'' سے نوازا گیا اور ۲۰۰۹ء میں پدما شری کے سول اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ انھیں علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف سے ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی جب کہ ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ہندوستان کے کئی اداروں اور اکادمیوں کی طرف سے انھیں بہت سے اعزازات و انعامات عطا کیے گئے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کو اردو ادب کا ''شمس اردو'' کہا جاتا ہے، کیوں کہ انھوں نے تنقید، تخلیق، تحقیق اور تہذیبی بازیافت کے ذریعے سے اردو کو نئی روشنی عطا کی۔ شمس الرحمٰن فاروقی ۲۵ دسمبر ۲۰۲۰ء کو الہ آباد میں وفات پاگئے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۱

حکیم احسن اللہ خان

تدریسی مقاصد:

- ☆ شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت، ادبی خدمات اور جدید فکشن میں ان کے مقام و مرتبے کو سمجھنا
- ☆ ناول کی تعریف، خصوصیات اور داستان اور افسانے سے اس کے فرق کو واضح کرنا
- ☆ ناول کے اہم کرداروں بالخصوص زیرِ مطالعہ سبق میں شامل ''حکیم احسن اللہ خان'' کے کردار کا مطالعہ کرنا
- ☆ مغلیہ اور برطانوی دور کے سماجی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر سے روشناس ہونا

www.ilmkidunya.com

تعارف:

شمس الرحمٰن فاروقی کا ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' اردو ادب کا ایک اہم اور منفرد تاریخی ناول ہے، جو پہلی بار ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول انیسویں صدی کی تہذیب، ثقافت اور سماجی زندگی کی عکاسی کرتا ہے، خصوصاً دہلی اور لکھنؤ کے زوال پذیر دور کو نہایت خوب صورتی سے پیش کرتا ہے۔

اس ناول کی کہانی نواب میرزا خاں داغ دہلوی کی والدہ وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم کے گرد گھومتی ہے۔ وہ ایک غیر معمولی حسین اور باوقار خاتون تھیں جو اپنی ذہانت، حسن اور خودداری کی وجہ سے مختلف شخصیات کی توجہ کا مرکز بنیں۔ وہ شعر بھی کہتی تھیں اور شاہ نصیر کی شاگرد تھیں۔ استاد نے زہرہ تخلص عطا کیا تھا۔ ناول میں ان کی زندگی کے مختلف مراحل اور سماجی بندشوں کو بڑی دل کشی سے بیان کیا گیا ہے۔

''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کی سب سے بڑی خوبی اس کی زبان و بیان ہے، جو نہایت شستہ، کلاسیکی اور دل نشین ہے۔ مصنف نے تاریخی حقائق کو تخیل کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری خود کو اس دور میں سانس لیتا محسوس کرتا ہے۔ یہ ناول نہ صرف ایک دل چسپ کہانی ہے بلکہ اس دور کی تہذیب، آداب، لباس، رہن سہن اور سماجی اقدار کا ایک جیتا جاگتا مرقع بھی ہے۔

ناول کے اہم کرداروں میں وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم، مرزا فخرو، نواب رام پور، شمس الدین احمد خاں، مرزا داغ دہلوی، ولیم فریزر اور حکیم احسن اللہ خاں وغیرہ شامل ہیں۔

اپنے حسنِ اخلاق، انکسارِ مزاج، اور تشخیص و تجویز دونوں میں یکساں مہارت کے باعث حکیم احسن اللہ خان دِلّی والوں کی آنکھ کا تارا تھے۔ عمائد و عوام، وضیع و شریف، کیا ہندو کیا مسلمان، سب ان کا دم بھرتے تھے۔ طویل القامت، دوہرا بدن لیکن بھاری نہیں، چھوٹی چھوٹی روشن آنکھیں، سانولے چہرے پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، علما و حکما کے طرز کی گول بھری ہوئی خوش نما داڑھی بہت سیاہ لیکن بہت لمبی نہیں، از

سرتا پا سفید لباس میں ملبوس حکیم صاحب اپنے دیوان خانے میں مطب کر رہے تھے۔ بہت لمبا اور کچھ کم چوڑا کمرہ، مشرقی دیوار سے لگا ہوا ایک وسیع چوبی تخت پوش جس پر گدے بچھے ہوئے، گدوں کے اوپر سفید چاندنی، چاندنی کے اوپر بیچوں بیچ میں سبز و سفید اور لاجوردریشمی قالین جس پر حکیم صاحب دوزانو بیٹھے تھے، اس طرح کہ مریض آسانی سے انھیں نبض دکھا سکے۔

حکیم صاحب کے دونوں جانب نسخہ نویس حکیم بیٹھے ہوتے تھے اور تخت پوش کے سامنے مریض دورویہ لمبی لمبی چوکیوں یا کرسیوں پر تھے۔ حکیم صاحب باری باری نہایت خندہ پیشانی سے دائیں اور بائیں جانب کے ایک ایک مریض کی نبض دیکھتے۔ مریض کو خود اپنا حال بیان کرنے کی حاجت بہت کم پیدا ہوتی تھی، مرض کی نوعیت سمجھنے کے لیے نبض دیکھنا ہی حکیم صاحب کے لیے کافی تھا۔ عموماً دائیں ہاتھ کی نبض دیکھی جاتی لیکن کبھی کبھی دونوں کلائیوں کی نبض کا ملاحظہ ہوتا مگر یہ اسی وقت جب مریض کوئی ایسی بات کہتا یا ایسی شکایت کا ذکر کرتا جو حکیم صاحب کے لیے غیر متوقع ہوتی۔ حکیم صاحب شاذونادر ہی ایک دو سوال خود بھی کر لیتے تھے اور وہ زیادہ تر اپنی تشخیص کی تصدیق کے لیے ہوتا تھا۔ مثلاً ''آپ کی شادی خاصی عمر گزار کر ہوئی؟'' یا ''آپ کے دائیں گردے پر ورم ہے۔ پہلی بار درد ہوا اور بخار آیا تو آپ نے کسی طبیب سے رجوع نہیں کیا؟'' وغیرہ۔ تشخیص بہت جلد ہوتی اور پھر بے تاخیر، مگر نہایت پست آواز میں بلکہ زیرِ لب، نسخہ نویس صاحب کو نسخہ لکھوا دیا جاتا کسی مریض کو کچھ پوچھنا ہوتا تو جھک کر پوچھ لیتا۔ سوال کا جواب حکیم صاحب اسی طرح دو تین لفظوں میں اور اسی ہلکی آواز میں بتا دیتے تھے یا نسخہ نویس کی طرف سر سے اشارہ کر دیتے کہ ان سے پوچھ لیجیے۔ پورے ماحول پر متانت اور رُعب کی فضا تھی۔

حکیم صاحب کے یہاں نبض دکھانے کی کوئی فیس نہ تھی، ہاں مطب سے ملحق عطار کی دکان سے دوا لی جاتی تو اس کی قیمت ضرور لگتی تھی لیکن حکیم صاحب خدا جانے کون سا اشارہ کر دیتے تھے جسے بھانپ کر نسخہ نویس کسی کسی مریض کے نام کے ساتھ کوئی علامت بظاہر مبہم سی بنا دیتا جس کا مدعا ہوتا کہ اس مریض سے دوا کی قیمت نہ لی جائے، یا نصف لی جائے اور اگر مطب کے عطار سے دوا نہ لی جاتی تو بھی کچھ حرج نہ تھا۔

ولیم فریزر کے فرستادہ ایک برچھیت اور ایک چوبدار حکیم احسن اللہ خان کے مطب میں اس وقت داخل ہوئے جب دوپہر شروع ہو رہی تھی، کوئی بارہ پونے بارہ کا عمل رہا ہوگا۔ نو واردوں کو اشارہ کیا گیا کہ منتظرین میں اپنی مناسب جگہ لے لیں لیکن وہ درانہ آگے بڑھتے ہوئے حکیم صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ چوبدار سلام کر کے بولا:

''حضور کو صاحب کلاں بہادر نے یاد فرمایا ہے۔''

حاضرین میں سے بعض کی تیوری پر بل آیا۔ کچھ کی برہمی کا باعث یہ تھا کہ ریزیڈنٹ کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ بادشاہ کی رعایا، علی الخصوص بادشاہ کے معالج کو اپنے یہاں طلب کرے۔ کچھ کو اس وجہ سے تردّد ہوا کہ حکیم صاحب اب اٹھ جائیں گے اور ہم لوگ آج انھیں نبض نہ دکھا سکیں گے لیکن حکیم صاحب نے اپنے معمولہ لہجے میں پوچھا:

''کیوں، کیا معاملہ ہے؟ کچھ طبیعت ناساز ہے کیا؟''

''ہم لوگوں کو خبر نہیں سرکار! ہمیں بس یہی حکم ہوا کہ حکیم جی صاحب کو ہمارا سلام پہنچاؤ اور ابھی ساتھ لے کر پھرو۔''

www.ilmkidunya.com

''ابھی تو میں مریضوں کو دیکھ رہا ہوں۔ظہر کے ذرا پہلے اٹھوں گا، پھر نماز پڑھ کر تمھارے ساتھ چل سکوں گا، سمجھے؟''

''مگر صاحب نے تو۔۔۔'' چوبدار نے کہنا شروع کیا۔

''ٹھیک ہے، صاحب نے کہا ہے۔'' حکیم صاحب نے قطع کلام کیا لیکن لہجے میں کوئی درشتی یا ناخوش گواری نہ تھی۔''لیکن میں تو اتنے لوگوں کو اِدھر میں چھوڑ کرنہیں جاسکتا۔تم چاہو تو جا کر نواب ریزیڈنٹ بہادر کو مطلع کر دو۔''

ظاہر ہے کہ اس کے آگے چوبدار کو کیا چارہ تھا۔دونوں خدّام چپ چاپ ایک طرف بیٹھ کر حکیم صاحب کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔حکیم صاحب اپنے وقت سے اٹھے، نماز ادا کر کے برآمد ہوئے اور اپنے ہوادار میں سوار ہو گئے۔دونوں نفر ہوادار کے ساتھ تیز تیز چلے۔

جب حکیم احسن اللہ خان بہادر کا ہوادار ولیم فریزر کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچا تو چار بج رہے تھے۔نوبت خانے کے محافظ نے بتایا کہ صاحب کلاں بہادر تو اب اٹھ گئے ہوں گے، آپ بہر حال تشریف لے جائیں، شاید ملاقات ہو جائے۔

حکیم صاحب اور فریزر کی گفت گو بڑے ملاقاتی کمرے میں نہیں بلکہ اس سے ملحق دربار کمرے میں ہوئی۔ چاروں طرف دیواروں پر انگریزی، فارسی، لاطینی اور یونانی کتابیں سجی ہوئیں، سامنے بڑی سی میز جس کے ایک سرے پر فریزر انگریزی لباس میں مقطع مسجع بیٹھا ہوا خاصا پُر رُعب لگ رہا تھا۔ایک عصا بردار اور ایک مگس ران پشت پر، ایک چوبدار اس کے دائیں ہاتھ کی طرف کاغذوں کا بستہ لیے ہوئے، کچھ کاغذ سامنے میز پر پھیلے ہوئے، فریزر کی توجہ کاغذوں پر تھی جب باہری چوبدار نے آواز لگائی:

''عمدۃ الملک حکیم احسن اللہ خان بہادر۔''

فریزر نے آنکھ اٹھا کر حکیم صاحب کو دیکھا۔اس کے پہلے کہ وہ انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرے، حکیم صاحب اسے ہاتھ کے اشارے سے سلام کر کے خود ہی پاس والی صندلی پر متمکن ہو گئے۔فریزر نے اشارے سے تمام نوکروں کو رخصت کیا، نیم قد کھڑے ہو کر حکیم صاحب کی تعظیم کی اور کہا:

''عمدۃ الملک! آپ تشریف لائے، میں بہت ممنون ہوں۔''

حکیم صاحب نے کچھ جواب نہ دیا، صرف سر کو خفیف سا خم کیا، گویا کہ رہے ہوں کہ ٹھیک ہے، میں آپ کے بلاوے پر آ گیا لیکن یہ تکلّفات نہ کیجیے، برسرِ مطلب آیئے۔فریزر نے ایک لمحہ انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ حکیم صاحب کو رسمی گفتگو میں دلچسپی نہیں، تو اس نے مزید کہا:

''عمدۃ الملک! آپ کی مدبّرانہ لیاقت اور سُوجھ بُوجھ کے سب قائل ہیں۔''

اب حکیم صاحب کو کچھ جواب دیتے ہی بنی۔انھوں نے آداب بجالا کر کہا:''نواب ریزیڈنٹ بہادر کی کرم گستری اور قدر افزائی ہے۔''

فریزر نے مسکرا کر کہا:''آپ کو آج زحمت دہی کا سبب یہی ہے۔''

www.ilmkidunya.com

''میرے لائق جو خدمت ہوگی میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔'' حکیم صاحب کا لہجہ متین لیکن خشک اور محتاط تھا۔

''حکیم صاحب! من حیث المجموع مجھے دہلی اور اہلِ دہلی سے کوئی شکایت نہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ معاملاتِ ریاست کے نظم و نسق میں نواب شمس الدین احمد بے حد ڈھیل دے رہے ہیں۔ ان کی بعض حرکات سے مجھے خود تکلیف پہنچی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ انھیں تنبیہ کریں کہ مجھے حسبِ سابق اپنا بزرگ اور بہی خواہ گردانیں، ایسا کچھ نہ کریں جو میرے لیے موجبِ ملال اور ان کے لیے باعثِ پریشانی ہو۔''

پھر ایک لمحہ خاموش رہ کر، گویا غور کر رہا ہو کہ یہ بات ظاہر کرے یا نہ، وہ بولا ''نواب گورنر جنرل بہادر کے بھی دل میں ان کی طرف سے مَیل آ سکتا ہے۔''

حکیم احسن اللہ خان ایک دو لحظہ چپ رہے۔ فریزر کی ساری باتیں خلافِ قاعدہ اور مدبّرانہ حکمتوں سے خالی تھیں۔ اسے اگر نواب شمس الدین احمد سے کوئی پرخاش تھی تو یہ قضیہ اس کا تھا اور اس کا حل بھی اسے ہی نکالنا چاہیے تھا۔

''صاحب کلاں بہادر کی طبع وقاد پر یہ امر تو روشن ہوگا کہ نواب شمس الدین احمد، بلکہ نواب احمد بخش خان مرحوم کے سارے ہی اخلاف پر، میرا کوئی زور نہیں۔''

''لیکن آپ نواب احمد بخش خان کے ذاتی معالج تھے۔ شمس الدین احمد بچپن میں آپ کی گودوں میں کھیلا ہے۔''

''جی ہاں۔ تھا۔ اب نہ نواب ہیں نہ میری معالجی باقی ہے۔'' حکیم صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

فریزر کے چہرے پر برہمی کے آثار نمایاں ہوئے۔ یہ ہندوستانی مسلمان ہوتے ہی بڑے بددماغ ہیں لیکن یہ شخص تو اپنے بھلے بُرے کے خیال سے بھی عاری معلوم ہوتا تھا۔ فریزر نے اب ذرا بلند آواز سے کہا:

''حکیم صاحب! ہم ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں۔ دِلّی میں کیا ہے جو ہم پر آئینہ نہیں۔ ہم نے جس کام کے لیے آپ کو پسند کیا ہے اس کے لیے آپ موزوں ترین شخص ہیں۔''

''بہتر ہے، میں مقدور بھر کوشش کروں گا، کوتاہی ہرگز نہ کروں گا۔''

''آپ شمس الدین احمد کو آگاہ کر دیں کہ چھوٹی بیگم کا خیال چھوڑ دیں۔ آپ انھیں صاف صاف بتا دیں کہ یہ میرا پیغام ہے اور آپ کو بے واسطہ غیر مجھ سے ملا ہے۔''

''اس اعتماد کے لیے میں صاحب کلاں بہادر کا ممنون ہوں لیکن نہ تو میرا شمس الدین احمد پر کوئی داب یا اثر ہے اور نہ یہ میرا منصب ہے کہ میں ان کے پاس آپ کا پیغام لے جاؤں۔''

''کیوں، منصب کیوں نہیں؟'' فریزر نے سرکہ جبیں ہو کر کہا: ''کیا آپ سرکار کمپنی بہادر کے وفادار نہیں ہیں؟''

''خطا معاف لیکن میں نہیں گمان کرتا کہ اس معاملے کا کوئی ربطِ وفاداری سرکار کمپنی سے ہے۔'' حکیم صاحب نے بھی تیوری پر بل لا کر

www.ilmkidunya.com

جواب دیا۔" اور بالفرض اگر ہو بھی تو میں نمک خوارِ بادشاہ کا ہوں، نمک خوارِ کمپنی نہیں۔"

"اور تمھارا بادشاہ کمپنی بہادر کا نمک خوار ہے عمدۃ الملک حکیم احسن اللہ خان!"

"اپنا اپنا خیال ہے نواب ریزیڈنٹ بہادر!" حکیم صاحب کا لہجہ اور بھی خشک ہو گیا تھا۔" ظلِ الٰہی اور ان کے اسلاف کو تختِ دہلی پر حکمرانی کرتے دو سو سے زیادہ برس ہو گئے۔۔۔"

"ہم نے آپ کو یہاں تاریخ کا درس دینے کے لیے نہیں طلب کیا ہے حکیم صاحب!"

"جی ہاں، اور نہ نسخۂ عرقِ گاؤزبان کے لیے۔ اور یہی دو کام میں جانتا ہوں۔ مجھے رنج ہے کہ میں آپ کے لیے ناکارہ ثابت ہوا۔"

حکیم احسن اللہ خان نے صندلی سے اٹھ کر بڑے وقار اور رواداری سے آداب کیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

اِذنِ رخصت کے بغیر دربار کمرے سے باہر نکل جانا فریزر کی سخت توہین تھی۔ اس وقت تو وہ سب کچھ برداشت کر گیا کہ اسے اپنی بھی عزت کا خیال تھا لیکن اس دن سے کمپنی بہادر اور حکیم احسن اللہ خان کے درمیان خاموش جنگ چھڑ گئی۔ ایک فریزر ہی پر موقوف نہ تھا، فریزر کے بعد بھی ہر ریزیڈنٹ کے دل میں حکیم احسن اللہ کے خلاف از خود گرہ پڑ جاتی یا شاید دفتری یادداشتوں میں یہ مضمون درج تھا کہ حکیم کے ساتھ مہربانی کا سلوک نہ کیا جائے بلکہ ہمیشہ پہلوتہی کی جائے، کہ جس کی بنا پر حکیم صاحب کے تئیں ہر ریزیڈنٹ کا برتاؤ معاندت کا نہیں تو بے رخی کا ضرور رہتا۔ ایک بار بہادر شاہ کی بادشاہی کے زمانے (۱۸۴۶ء) میں حکیم احسن اللہ خان نے صلح صفائی کی بھی کوشش کی کہ نواب ریزیڈنٹ بہادر کے دل میں کوئی غبار ہو تو نکل جائے لیکن بادشاہ کی سفارش کے باوجود حکیم احسن اللہ خان کا وجود انگریزوں کے لیے ناپسندیدہ ہی رہا۔

ولیم فریزر کی کوٹھی سے حویلی مبارک خاصے فاصلے پر تھی اور حکیم صاحب کو اندیشہ تھا کہ وہاں پہنچتے پہنچتے عصر کا وقت نکل جائے گا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ عصر کی نماز فتح پوری کی جامع مسجد پر ادا کروں گا اور پھر لاہوری دروازے پر حاضر ہو کر شاہِ جم جاہ کے حضور باریابی کا طالب ہوؤں گا۔ ولیم فریزر کی گفت گو کا پورا احوال بادشاہ کے گوش گزار کرنا ضروری تھا، نہ صرف اس لیے کہ نواب شمس الدین احمد یا کسی بھی ہندوستانی منصب دار یا عمدہ کے بارے میں کوئی اطلاع ان تک پہنچتی جو ملکی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہو سکتی تھی، تو ایسی اطلاع کو بادشاہ تک پہنچانا ان کے فرائضِ منصبی میں تھا، بلکہ اس لیے بھی کہ حکیم احسن اللہ خان کو اپنے یہاں طلب کر کے فریزر نے آدابِ سلطنت کو ملحوظ نہ رکھا تھا۔ حکیم احسن اللہ خان کو طلب کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا اور اگر بلوانا ہی تھا تو بادشاہ کے توسط سے بلوانا تھا۔ لہٰذا حکیم صاحب کے لیے یہ ضروری تھا کہ فریزر نے آدابِ سلطنت کی جو خلاف ورزی کی تھی اس کی اطلاع وہ ظلِ سبحانی تک پہنچا دیتے۔

شام کا دربار برخواست ہو چکا تھا اور ظلِ سبحانی خاصہ تناول فرمانے کے لیے اٹھ رہے تھے لیکن حکیم احسن اللہ خان کو باریابی کی اجازت مل گئی۔ بادشاہ نے خاموشی سے احسن اللہ خان کا اظہار سنا۔ انھیں برا تو بہت لگا کہ فریزر کی ہمتیں اتنی کھل گئی ہیں لیکن حکیم صاحب کے سامنے کچھ ظاہر نہ کرنا ہی بہتر تھا، کیونکہ بادشاہوں کی خفگی بے نتیجہ نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ بادشاہ کے پاس اس وقت کوئی طاقت نہ تھی جس کے بوتے پر وہ فریزر کے بارے میں کوئی مؤثر اقدام کر سکتے۔ بل تو اپنا ہی بل، نہیں تو جاوے جل، لہٰذا اپنی خفگی، یا کسی بھی تاثر کو ظاہر کرنا

www.ilmkidunya.com

بادشاہ کی صوابدید کے برعکس تھا۔ گورنر جنرل کے پاس شکایت بھیجنا ضرور ممکن تھا لیکن وہ کام بھی موقع محل دیکھ کر ہی کیا جا سکتا تھا اور اس کا بھی نتیجہ معلوم تھا۔ ہر چند کہ عرش آرام گاہ حضرت اکبر شاہ ثانی کے زمانے تک بادشاہ اور گورنر جنرل میں براہِ راست مراسلت ہوتی تھی (بعد میں یہ مراعات بھی باقی نہ رہی)، لیکن ایسی مراسلت کی خبر اور اس کے محتویات پر اطلاع ریزیڈنٹ کو بہر حال ہو جاتی یا کر دی جاتی تھی۔ اکثر و بیشتر گورنر جنرل کے یہاں سے بھی بادشاہ کا شُقہ ریزیڈنٹ ہی کے پاس اظہار اور کیفیت کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔

بادشاہ کی بارگاہ سے اذنِ رخصت حاصل کر کے حکیم احسن اللہ خان دیوانِ خاص سے باہر آئے تو موتی مسجد میں مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ مسجد میں با جماعت نماز ادا کر کے انھوں نے اپنے معمولہ طویل نوافل پڑھنا ملتوی رکھا اور باہر آ کر ہوادار کے کہاروں کو حکم دیا کہ دریا گنج میں نواب شمس الدین احمد کی حویلی پر چلو۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب تشریف فرما نہیں ہیں۔ مردہے کو ہدایت کر کے کہ نواب صاحب جب آئیں تو انھیں بتا دینا کہ احسن اللہ آیا تھا اور نواب مناسب جانیں تو کل صبح چتلی قبر میں بوقتِ مطب مجھے مل لیں، حکیم صاحب واپس اپنی حویلی پر آئے۔ فریزر سے ملاقات اور اس کے بے ہنگام و بے ضابطہ مطالبات نے ان کا دل منغض کر دیا تھا، لیکن ان کے اضطراب کا اصل سبب یہ نہ تھا۔

فریزر کی رعونت اور اس کا یہ اعتماد کہ وہ خود کو ملکِ ہند کے رؤسا اور زعما کے گھریلو معاملات اور نجی کردار و اطوار میں مداخل ہونے کا استحقاق رکھتا تھا، یہ باتیں ملکِ ہند اور اہلِ ہند کے لیے کسی خوش آیند مستقبل کی خبر نہ دیتی تھیں۔ مانا کہ وہ شمس الدین احمد پر ایک طرح کا حق رکھتا تھا کہ وہ نواب احمد بخش خان کا دوست رہ چکا تھا اور عام حالات میں شمس الدین احمد اسے "چچا جان" پکارتے تھے لیکن گھر کی بات اور تھی۔ بلکہ اس صورت میں تو یہ اور بھی ضروری تھا کہ فریزر ان معاملات میں درگزر کرے اور چشم پوشی سے کام لے جن کا کوئی تعلق انتظام و انصرامِ ملک سے نہ ہو۔ یہ رعونت اور جابرانہ گھمنڈ فرنگی مزاج کا خاصہ تھا۔ حکیم احسن اللہ خان کو اندیشہ تھا کہ اقتدار میں افزائش کے ساتھ صاحبان انگریز کے عُجب و تکبر اور اہلِ ہند کے تئیں ان کے استخفافانہ برتاوے میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ امرا کی امارت، شرفا کی شرافت اور غربا کی غیرت، سب کی فصلیں ایک ہی درانتی سے کٹیں گی اور اگر یہ لوگ حاکم بن بیٹھے تو فرعون و نمرود کے بھی کان کاٹیں گے۔

اگلی صبح کو شمس الدین احمد نے حکیم احسن اللہ خان کے مطب پر ان سے ملاقات کی۔ حکیم صاحب نے انھیں تخلیے میں لے جا کر تمام باتیں بتا دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے ساری روداد اعلیٰ حضرت کے سمعِ میمون تک بھی پہنچا دی ہے لیکن حکیم صاحب نے چھوٹی بیگم کے بارے میں کچھ بھی تجسُّس نہ جتایا، اور نہ شمس الدین احمد کو اس ضمن میں کوئی نصیحت کی یا مشورہ دیا۔ شمس الدین احمد چُپ چاپ سنتے رہے لیکن جب حکیم احسن اللہ پوری بات کہہ کر خاموش ہوئے تو شاہی حزم و تمکین کے برعکس نواب کی طرف سے برہمی اور بیزاری اور فریزر کے خلاف دھمکیوں کے اعلان و اظہار میں کچھ تکلف نہ ہوا۔ نواب جب گرج برس کر چلے گئے تو حکیم صاحب نے پھر اپنا مطب سنبھالا۔ آج بھیڑ معمول سے کچھ زیادہ تھی۔

(کئی چاند تھے سرِ آسماں)

مشق

۱۔ مختصر جوابات تحریر کریں:

(الف) حکیم احسن اللہ خان کی شخصیت کیسی تھی؟

(ب) حکیم احسن اللہ خان مرض کی تشخیص کیسے کرتے تھے؟

(ج) مطب سے حکیم احسن اللہ خان کو کس نے بُلا بھیجا تھا؟

(د) فریزر کی اہلِ ہند کے بارے میں کیا رائے تھی؟

(ہ) فریزر کی باتوں کا نواب شمس الدین احمد پر کیا اثر ہوا؟

۲۔ سبق کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں:

(الف) حکیم احسن اللہ خاں آنکھ کا تارا تھے:

(i) لکھنؤ والوں کی (ii) دلی والوں کی (iii) کلکتہ والوں کی (iv) لاہور والوں کی

(ب) حکیم صاحب کے دونوں جانب بیٹھے ہوتے تھے:

(i) مریض (ii) نسخہ نویس حکیم (iii) چوبدار (iv) عطّار

(ج) حکیم صاحب کو نبض دکھانے کی فیس تھی:

(i) دو آنے (ii) ایک آنہ (iii) ایک روپے (iv) کوئی نہیں

(د) حکیم احسن اللہ خان ذاتی معالج تھے:

(i) واب احمد بخش خان (ii) ولیم فریزر (iii) چھوٹی بیگم (iv) نواب شمس الدین احمد

(ہ) بادشاہ اور گورنر جنرل میں براہِ راست مراسلت ہوتی تھی، کے زمانے تک:

(i) اورنگ زیب (ii) جہانگیر (iii) بہادر شاہ ظفر (iv) اکبر شاہ ثانی

(و) حکیم احسن اللہ خان دیوانِ خاص سے باہر آئے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی:

(i) بادشاہی مسجد میں (ii) موتی مسجد میں (iii) سنہری مسجد میں (iv) جامع مسجد دہلی میں

۳۔ حکیم احسن اللہ خان کے مطب کا نقشہ کھینچیں اور مریضوں کی تشخیص کا احوال بیان کریں۔

۴۔ ولیم فریزر کے بلاوے اور حکیم احسن اللہ خاں سے ملاقات کی کیفیت بیان کریں۔

www.ilmkidunya.com

۵۔ درج ذیل الفاظ میں سے واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیں۔

خطابات، خاص، اکتسابات، کمالات، ربط، مدرسہ، شرفا، علما، اطبا، نسخہ، طبع

۶۔ ولیم فریزر سے ملاقات اور گفت گو کا حال پیش نظر رکھتے ہوئے حکیم احسن اللہ خان کی غیور اور خوددار شخصیت کا مرقع پیش کریں۔

۷۔ اس سبق کا خلاصہ تحریر کریں۔

۸۔ درج ذیل اقتباسات کی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ کریں۔

(الف) فریزر کی رعونت ۔۔۔۔۔۔۔۔ فرنگی مزاج کا خاصہ تھا۔

(ب) اذنِ رخصت کے بغیر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انگریزوں کے لیے ناپسندیدہ ہی رہا۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ خطاب، لقب، تخلص، کُنیت، عُرف وغیرہ اسم علم کی مختلف قسمیں ہیں۔ اس سبق میں استعمال ہونے والے ''اسمِ علم'' الگ الگ کر کے فہرستیں بنائیں۔

☆ انگریزوں کے آنے اور پھر اُن کے مکمل طور پر تسلط کے بعد مسلم تہذیب و معاشرت پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ نیز مغلیہ سلطنت کے زوال کے ایام میں مسلمانوں کی اقدار اور روایات کی صورت حال کیا تھی؟ اس سبق کی روشنی میں باہمی گفت گو میں اظہارِ خیال کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ ناول کی صنف کے بارے میں طلبہ کو تفصیل سے آگاہ کریں۔

☆ شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کا مکمل محاکمہ پیش کریں۔

☆ زیرِ مطالعہ سبق کی تفہیم اور تنقیدی پہلو اجاگر کریں۔

☆ ناول کے تہذیبی اور تاریخی عناصر پر گفت گو کریں۔

☆ زبان کے کلاسیکی رنگ اور اس کی فنی خوب صورتی کو نمایاں کریں۔

www.ilmkidunya.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
(۱۹۱۲ء۔۲۰۰۵ء)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ۱۹۱۲ء میں جبل پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم جبل پور ہی سے حاصل کی۔ بعدازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے وہ علی گڑھ چلے گئے اور وہاں سے اردو اور فارسی میں ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔ اُنھوں نے قانون، پی ایچ۔ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ ۱۹۳۷ء میں کنگ ایڈورڈ کالج اَمراوتی میں اردو کے استاد مقرر ہوئے اور کم و بیش گیارہ سال تک اردو پڑھاتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے اور اردو کالج کراچی میں صدرِ شعبہ اردو مقرر ہوئے۔ اس دوران میں وہ کراچی یونیورسٹی میں بھی مختلف حیثیتوں سے تدریسی و تحقیقی فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد میں وہ سندھ یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے اور حیدر آباد میں رہائش پذیر ہو گئے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ہمارے ملک کے نامور دانش ور اور ممتاز ماہرِ تعلیم تھے۔ مذہبی عالم کی حیثیت سے بھی انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اردو کے علاوہ انھیں عربی، فارسی اور انگریزی زبان و ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ وہ تاریخ اور تصوّف میں بھی خاصی دل چسپی لیتے تھے۔ ان کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ وہ کم سے کم الفاظ کا استعمال کر کے زیادہ معنی پیدا کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ وہ دقیق نظریات کو نہایت آسانی سے عام فہم بنا لیتے تھے۔ اپنی تحریروں میں وہ ہمیشہ تحقیقی انداز اختیار کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ سنجیدہ موضوعات پر قلم اٹھایا اور محققانہ انداز میں سچی اور کھری بات قارئین تک پہنچائی۔ ان کی تصانیف دیکھ کر انسان قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ وسیع المطالعہ اور وسیع النظر انسان تھے۔ انکسار اور سادہ بیانی ان کے اسلوب کا طرّۂ امتیاز ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی نمایاں علمی و ادبی تصانیف میں علمی نقوش، چند فارسی شعراء، مکتوباتِ شاہ احمد سعید دہلوی، ادبی جائزے، حالی کا ذہنی ارتقا، اقبال اور قرآن، معارفِ اقبال، مطالبِ قرآن، سرگزشتِ کابل، تاریخ بہرام شاہ، ہمارا تلفظ، سندھی اردو لغت، مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی شامل ہیں۔ اُردو زبان و ادب کے یہ عظیم خدمت گار ۲۰۰۵ء میں حیدر آباد میں وفات پا گئے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۲

نظریۂ پاکستان

تدریسی مقاصد:

- ☆ نظریۂ پاکستان کے مفہوم اور بنیادی تصور کر واضح کرنا
- ☆ نظریۂ پاکستان کے فکری اور تاریخی پس منظر کو سمجھنا
- ☆ پاکستان کے قیام کے مقصد اور اس کے مستقبل کے تقاضوں پر غور کرنا

www.ilmkidunya.com

مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفر و الحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ چناں چہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱) کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ ان کے اثر سے شاہجہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب، دین کا خادم بنا لیکن اورنگ زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروہوں نے سر اٹھایا؛ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ چناں چہ میسور کے سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے نہ صرف ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۲) اور ان کے صاحبزادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی۔ پھر اُن کے پوتے شاہ اسماعیلؒ نے اپنے مرشد سید احمد بریلویؒ کے ساتھ اسلامی اصولوں کو دوبارہ رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش میں ۱۸۳۱ء میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ تاہم انھوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ چناں چہ

۱۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء ۔ ۱۶۲۴ء) نقشبندی سلسلے کی اہم شخصیت

۲۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳ء ۔ ۱۷۶۳ء) عالمِ دین، محدث، مصلح

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمانے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہو چکا تھا، اس لیے انھیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اس زمانے میں سرسیّد نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اوران کے دلوں سے احساسِ کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ ۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہر یہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہو گئے۔ نیز انھوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔ سرسیّد نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اوران کے ایک دوست مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ پھر سرسیّد کے ایک رفیق نواب وقارالملک نے ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی، جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ختم کرا دیا اور ۱۹۱۱ء میں اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کرا دیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگِ عظیم (۱) چھڑ گئی، جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چوں کہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے مالی اور طبی امداد بھی بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا لیکن انھوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر ہمیں اس جنگ میں فتح حاصل ہوگئی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا۔ چناں چہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی، تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انھوں نے ترکی (۲) کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کی رہنمائی میں تحریکِ خلافت شروع کی لیکن اسی زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شدھی کی تحریک شروع کی اوران کو ختم کرنے کے لیے سنگھٹن کی تحریک بھی شروع کی۔ پھر ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جو نہرو رپورٹ شائع کی، اس میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکی تھی، بالکل نظر انداز کر دیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور انھیں یقین ہو گیا کہ چوں کہ ان کا دین، ان کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔ چناں چہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔ چار سال کے بعد جب قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی صدارت کا مستقل عہدہ قبول کیا، تو انھوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو انھوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کر دیا

۱۔ جنگِ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء میں شروع اور ۱۹۱۹ء میں ختم ہوئی)

۲۔ مراد خلافتِ عثمانیہ ہے

www.ilmkidunya.com

کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو "قراردادِ پاکستان" کہتے ہیں، جس کی رُو سے مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں: ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کی ہے اور دوسری وہ جو رسولِ مقبول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہلِ مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر اُستوار کیں اور تصور دیا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا، وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بخوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں اور یہ وطنی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی، کیوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیت کی دوسری بنیاد وہ ہے، جو رسولِ مقبول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ملّتِ اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کے تصوّرِ قومیت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے، جو لا الٰہ الاّ اللہ پر قائم ہے یعنی یہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے اور ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو، جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خِطوں کے لوگ شامل تھے۔ ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا، جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چناں چہ انھوں نے اپنی جداگانہ قومیت، یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا، جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریۂ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریۂ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصوّر بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، دیانت، خدا ترسی، انسانی ہمدردی اور عظمتِ کردار کے بغیر نظریۂ پاکستان کو فروغ نہیں ہوسکتا۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا، کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہلِ عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

www.ilmkidunya.com

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گزرا۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چوں کہ قیامِ پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر مبنی تھا، اس لیے حکومتِ برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی پرخلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عملِ پیہم کی وجہ سے ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریۂ پاکستان کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مستحکم اور شان دار بنا سکتے ہیں۔

نظریۂ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے، جس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا، نظریۂ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریۂ پاکستان کو پیشِ نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہوگا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مستحکم، شاندار اور پُرعظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

(گلشنِ وحدت)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جوابات تحریر کریں:

(الف) نظریۂ پاکستان سے کیا مراد ہے؟

(ب) اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمات بیان کریں۔

(ج) تحریکِ پاکستان کی اساس میں سر سیّد احمد خاں اور ان کے رفقا کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

(د) ''مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے'' وضاحت کریں۔

(ہ) دنیا میں قومیت کی تشکیل کن بنیادوں پر قائم ہے؟

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا شیوہ بنایا ہے:

(الف) سادگی کو (ب) خلوص کو (ج) رواداری کو (د) عصبیت کو

(ii) ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے والے تھے:

(الف) محسن الملک (ب) وقار الملک (ج) لیاقت علی خان (د) قائدِ اعظمؒ

(iii) پہلی جنگِ عظیم میں انگریز کا مقابلہ ہوا:

(الف) برطانیہ سے (ب) ہندوستان سے (ج) ترکی سے (د) جرمنی سے

(iv) مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جوہر کی رہنمائی میں تحریک شروع ہوئی؟

(الف) تحریکِ علی گڑھ (ب) خاکسار تحریک (ج) تحریکِ خلافت (د) ریشمی رومال تحریک

(v) جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو کہتے ہیں:

(الف) قیامِ پاکستان (ب) نظامِ پاکستان (ج) قراردادِ پاکستان (د) نظریۂ پاکستان

۳۔ سبق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں ختم ہو گئی تھی۔

(ب) اہلِ مغرب نے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔

(ج) نظریۂ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، خداترسی، انسانی ہمدردی اور عظمتِ کردار کے بغیر نظریۂ پاکستان کو فروغ نہیں ہو سکتا۔

۴۔ سبق "نظریۂ پاکستان" کے حوالے سے تشکیلِ پاکستان میں حصہ لینے والی شخصیات کے کردار اور افکار پر تبادلۂ خیال کریں۔

۵۔ سبق "نظریۂ پاکستان" کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات کی تشریح کریں:

(الف) چناں چہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربلندی۔۔۔۔۔ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

(ب) دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو۔۔۔۔۔ مغرب کے تصوّرِ قومیت سے جُدا ہے۔

مترادف الفاظ:

اردو زبان میں ایسے بے شمار الفاظ پائے جاتے ہیں، جو لکھنے میں تو مختلف مگر معانی میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ گویا مترادف الفاظ ایک دوسرے کے ہم معنی ہوتے ہیں اور ان کو موقع محل اور جملے کی مناسبت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں ان الفاظ کو 'Synonyms' کہتے ہیں۔ مترادف کا استعمال تحریر اور گفتگو کو زیادہ مؤثر اور خوب صورت بناتا ہے۔ مترادف کی چند مثالیں ذیل میں

www.ilmkidunya.com

دی جاتی ہیں:

مترادفات	الفاظ
خورشید، سورج	آفتاب
مال دار، تونگر، امیر	دولت مند
خوب صورت، حُسین	دل فریب
روشن، منوّر	چمک دار
تیز، پھرتیلا	سریع

۷۔ درج ذیل الفاظ کے مترادف تلاش کریں اور ان کو جملوں میں استعمال کریں:

دلیر، سفیر، صدا، قرن، حجر، ظن، منسوب

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ طلبہ کسی بھی لائبریری یا ڈیجیٹل ذریعے سے "تحریکِ پاکستان" کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی فہرست تیار کریں۔

☆ آئینِ پاکستان میں درج انسانی حقوق کے حوالے سے بات چیت کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ برصغیر کے تاریخی حالات اور مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو مختصر انداز میں بیان کریں۔

☆ سبق کو حصّوں میں تقسیم کر کے پڑھایا جائے اور مشکل الفاظ و تراکیب اور اصطلاحات کی وضاحت کریں۔

☆ طلبہ کو بتایا جائے کہ نظریۂ پاکستان محض تاریخی تصور نہیں بلکہ قومی ذمہ داری اور اجتماعی شعور کا حصہ بھی ہے۔

حصہ نظم

www.ilmkidunya.com

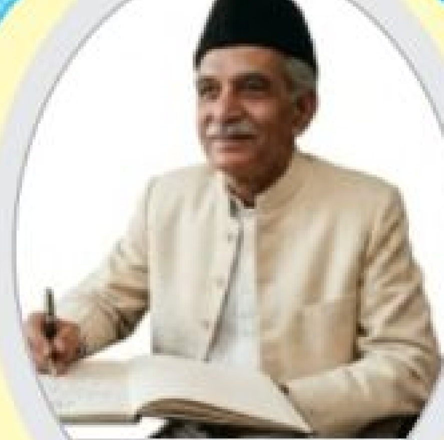

حفیظ جالندھری

(۱۹۰۰ء۔۱۹۸۲ء)

حفیظ جالندھری، جالندھر کے محنت کش گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام محمد حفیظ اور والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔ اُنھوں نے ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ نامساعد حالات کے باعث وہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ انھوں نے اردو ادب میں جو بھی مقام حاصل کیا وہ ان کے فطری ذوق، ذاتی قابلیت، فنِ شاعری پر بھرپور توجہ اور مسلسل محنت کا مرہونِ منت ہے۔ اُنھوں نے اپنے مربی مولانا گرامی کی نگرانی میں رسالہ ''اعجاز'' کا اجرا کیا۔ اس کے بعد لاہور آ کر ''ہونہار بک ڈپو'' قائم کیا اور ادبی رسائل و کتب کی ادارت و اشاعت کو اپنا ذریعۂ معاش بنالیا۔

دوسری جنگ عظیم میں حکومتِ برطانیہ نے حفیظ جالندھری کو آل انڈیا ریڈیو (دہلی) میں ''سانگ پبلسٹی آرگنائزیشن'' کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کیا۔ وہ کئی سال تک شعبۂ نشر و اشاعت سے منسلک رہے اور مختلف رسائل کی ادارت بھی کرتے رہے۔ انھوں نے ۲۱ دسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں وفات پائی۔

حفیظ جالندھری نے فردوسی کے ''شاہنامہ'' کی طرز پر اُردو زبان میں ''شاہنامۂ اسلام'' لکھا۔ بلاشبہ یہ حفیظ کا ایک اہم کارنامہ اور اُردو شاعری میں گراں قدر اضافہ ہے۔ حفیظ جالندھری کو زبان پر کامل عبور حاصل تھا۔ ان کی شاعری کی زبان سادہ، صاف، رواں اور مخصوص دل کشی کی حامل ہے۔ انھوں نے نرم اور شیریں الفاظ کا انتخاب کیا، اس لیے ان کے کلام میں موسیقیت کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ وہ ارادی طور پر بھی الفاظ کی ترتیب میں موسیقی کا لحاظ رکھتے اور مترنم بحروں کا انتخاب کرتے تھے۔ انھوں نے شعری حسن اور موسیقی کے امتزاج سے نئی نئی راہیں نکالیں۔ چھوٹی اور مترنم بحروں، ہندی لفظوں، فارسی تراکیب، تکرارِ الفاظ اور بول چال کے فطری انداز نے ان کی شاعری میں ایسا حسن اور تاثر پیدا کیا کہ قاری اس سے بجا طور پر لطف اندوز ہوتا ہے۔

اُن کی اہم تصانیف میں ''تلخابۂ شیریں''، ''شاہنامہ اسلام''، ''سوز و ساز''، ''حفیظ کے گیت''، ''حفیظ کی نظمیں'' اور ''بقلم خود'' (آپ بیتی) شامل ہیں۔ حفیظ جالندھری نے ہمارے پیارے وطن پاکستان کا قومی ترانہ بھی لکھا۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۳

انسانِ کامل کی برکات

تدریسی مقاصد:

- ☆ نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم بطور انسانِ کامل کے تصور سے روشناس ہونا
- ☆ حُبِ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم اور دینِ اسلام سے وابستگی پیدا کرنا
- ☆ حفیظ جالندھری کے شاہ نامۂ اِسلام کے پس منظر و پیش منظر سے آگاہ ہونا

محمدؐ کا مدینہ ہی جہاں میں ایک بستی تھی
جہاں راحت کا سایہ تھا جہاں رحمت برستی تھی

نگاہِ عرشیاں میں فرش فردوسِ نظارا تھا
خدا کے فضل سے 'انسانِ کامل' جلوہ آرا تھا

نمایاں ہو رہے تھے روز و شب انسان کے جوہر
کمالِ بندگی کے ، علم کے ، عرفان کے جوہر

نہ رعبِ بادشاہی تھا ، نہ فرِّ تاجداری تھی
محمدؐ کی قیادت میں خدا کی شرع جاری تھی

یہاں بے زر نئی دنیا کی تعمیریں اٹھاتے تھے
مساواتِ بنی آدم کے نظارے دکھاتے تھے

یہاں ہر رنگ کے پھولوں کا اک گلزار کِھلتا تھا
غریبوں، بے زبانوں کو لبِ گفتار ملتا تھا

www.ilmkidunya.com

مجاہد تھے مگر نامِ خدا پر کانپ جاتے تھے
یہ زاہد تھے فقط صدق ویقیں پر سر جھکاتے تھے

زکوٰۃ و صدقہ و خیرات پاکیزہ کمائی کے
یہاں سامان بنتے تھے غلاموں کی رہائی کے

یہاں مسجد تھی جس میں نور کے فوّارے چلتے تھے
یہاں قرآں تھا جس سے فیض کے دریا ابلتے تھے

یہیں وہ کملی والا تھا ، محمدؐ نام تھا جس کا
جہاں میں صلح ، امن و آشتی پیغام تھا جس کا

نہ شخصی دولت و حشمت ، نہ تخت و تاج والا تھا
مگر وہ سرورِ کونینؐ تھا ، معراج والا تھا

محمدؐ نے دیا انساں کو جوہر حق نیوشی کا
کہ شب ٹھٹھری ہوئی تھی، مہر چمکا گرمجوشی کا

دماغ و فکر کو ، علم و عمل کو زندگی دے دی
خیال و روح ، جان و جسم کو پاکیزگی دے دی

قدم زن ہو گیا انسان آزادی کی راہوں پر
فلاحِ دین و دنیا چھا گئی سب کی نگاہوں پر

ملی پامال سبزے کو اجازت لہلہانے کی
ہوئی آنسو بھری آنکھوں کو جرأت مسکرانے کی

(شاہنامۂ اسلام)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ نظم کے متن کے مطابق درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) مدینے کے بارے میں پہلے دو اشعار میں کیا کہا گیا ہے؟

(ب) مدینے کی بستی میں بادشاہی کی کیا صورتِ حال تھی؟

(ج) بے زروں کی تعمیر کردہ نئی دنیا میں کون سے نظارے دکھائے گئے؟

(د) کملی والے محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام کیا تھا؟

(ہ) انسان کن راہوں پر گامزن ہوگیا؟

۲۔ نظم کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں:

(الف) مدینے میں کیا برستی تھی:

(i) محبت (ii) رحمت (iii) عبادت (iv) برکت

(ب) انسان کامل جلوہ آرا تھا:

(i) مکّے میں (ii) مدینے میں (iii) دنیا میں (iv) آسمانوں میں

(ج) محمدؐ کی قیادت میں جاری تھی:

(i) شرع (ii) شریعت (iii) نماز (iv) عبادت

(د) نامِ خدا پر کانپ جاتے تھے:

(i) مسلمان (ii) مجاہد (iii) مومن (iv) نمازی

(ہ) محمدؐ نے انسان کو حق نیوشی کا دیا ہے:

(i) حکم (ii) سلیقہ (iii) جوہر (iv) گوہر

شاہنامۂ اسلام اور صنفِ مثنوی:

شاہنامہ ایسے طویل منظوم کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی شاہی خاندان کے کارناموں کو بیان کیا جائے۔ فارسی زبان میں شاہنامۂ فردوسی کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ۔ یہ شاہنامہ ایران کے بادشاہوں کے کارناموں اور اُن کی مدح میں مشہور شاعر فردوسی نے لکھا تھا اس لیے ''شاہنامۂ فردوسی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

www.ilmkidunya.com

شاہنامۂ اسلام:

شاہنامۂ اسلام حفیظ جالندھری کی شعری تخلیق ہے اور اس میں سرکارِ دوعالم حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم اُن کے اصحاب اور دینِ اسلام کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔ شاہنامۂ اسلام چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ شاہنامۂ اسلام لکھنے پر حفیظ جالندھری کو ''ابوالاثر'' کا خطاب دیا گیا۔ اس کے اشعار میں بڑی تاثیر ہے۔ اس سے نوجوان نسل کو اسلام اور قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی عظمتوں سے آگاہی ملتی ہے اور اُن کے دلوں میں جذبۂ ایمان پھلتا پھولتا ہے۔ حفیظ جالندھری نے اس میں جو واقعات پیش کیے ہیں وہ احادیث اور تاریخ و تفسیر کی مستند کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

مثنوی:

مثنوی کا مطلب ہے 'دو دو والا/ دوالی'۔ یہ ایسی نظم ہے جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یہ صنف طویل داستانوں، حکایتوں اور علم و حکمت کے مضامین بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ صنف بھی فارسی سے اُردو میں شامل ہوئی ہے۔ فارسی میں ''شاہنامۂ فردوسی'' بھی مثنوی کی صنف میں لکھا گیا ہے۔ اسی طرح ''مثنوی مولانا روم'' کو بہت زیادہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ اس کے چھے دفتر ہیں۔ ''شاہنامۂ اسلام'' بھی مثنوی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ ''سحر البیان'' اور ''گلزارِ نسیم'' اُردو کی مشہور مثنویاں ہیں۔

۳۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں ایسی نظموں کی نشان دہی کریں جو مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہوں۔

۴۔ شاہنامۂ اسلام کا مطالعہ کریں اور غزوۂ بدر کا احوال اپنے دوستوں کو سنائیں۔

۵۔ اُستادِ گرامی بزمِ ادب میں طالب علموں کے درمیان ترنم کے ساتھ یا تحت اللفظ ''شاہنامۂ اسلام'' کے اشعار پڑھنے کا مقابلہ منعقد کریں۔

۶۔ درج ذیل تراکیب کے معانی درج کریں:

نگاہِ عرشیاں　　فردوسِ نظارا　　انسانِ کامل جلوہ آرا　　کمالِ بندگی

فخرِ تاجداری　　مساواتِ بنی آدم　　حق نیوشی

۷۔ اس نظم میں جو مرکبِ عطفی استعمال ہوئے ہیں، اُنھیں جملوں میں استعمال کریں۔

۸۔ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

دماغ و فکر کو، علم و عمل کو زندگی دے دی
خیال و روح، جان و جسم کو پاکیزگی دے دی

قدم زن ہو گیا انسان آزادی کی راہوں پر
فلاحِ دین و دنیا چھا گئی سب کی نگاہوں پر

www.ilmkidunya.com

ملی پامال سبزے کو اجازت لہلہانے کی
ہوئی آنسو بھری آنکھوں کو جرأت مسکرانے کی

سابقہ/لاحقہ:

سابقہ: وہ حروف/الفاظ ہیں جو کسی بامعنی لفظ سے پہلے لگا کر نیا لفظ بنایا جائے مثلاً اس نظم میں:

بے زر، بے زبان، نادار وغیرہ میں بے اور نا سابقے ہیں۔

لاحقہ: وہ حروف/الفاظ جو کسی بامعنی لفظ کے بعد لگا کر نیا لفظ بنایا جائے مثلاً اس نظم میں:

جَلوہ آرا اور تاجدار میں آرا اور دار لاحقے ہیں۔

۹۔ سابقوں اور لاحقوں کی مزید مثالیں تلاش کریں اور جملوں میں استعمال کریں۔

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ ''اِنسانِ کامل'' کے موضوع پر تقریر تیار کریں جو علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری کے اشعار سے مزیّن ہو۔

☆ ''تعلیمِ امن'' کے موضوع پر گفت گو کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ کو ''اِنسانِ کامل'' کے تصور کے بارے میں آگاہ کریں۔

☆ ''شاہنامۂ اِسلام'' کا مختصر تعارف پیش کریں۔

☆ نظم کے مشکل الفاظ، معانی کی توضیح کریں۔

☆ طلبہ پر مثنوی کے اسرار و رموز کھولیں۔

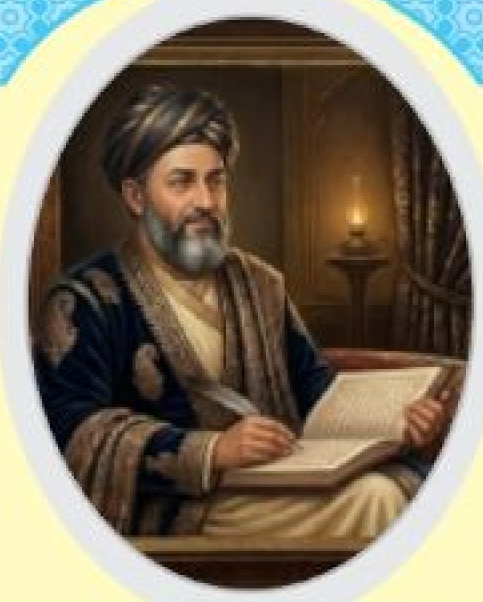

میر حسنؔ

(۱۷۳۶ء - ۱۷۸۶ء)

نام میر غلام حسن اور تخلص بھی حسنؔ ہی تھا۔ میر حسنؔ ۱۷۳۶ء میں دِلّی میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا۔ میر حسن مشہور ہجو گو میر ضاحکؔ کے بیٹے، میر خلیقؔ کے والد اور نام ور مرثیہ گو میر انیسؔ کے دادا تھے۔ میر حسنؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد میر ضاحکؔ سے حاصل کی تھی۔ پھر دِلّی جب تاراج ہوئی تو میر حسنؔ اپنے والد کے ہم راہ فیض آباد چلے گئے جو اس زمانے میں اودھ کا دارالحکومت تھا۔ یہاں آکر وہ نواب سالار جنگ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے اپنا دارالحکومت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا تو یہ بھی لکھنؤ چلے آئے۔ ۱۷۸۶ء میں لکھنؤ ہی میں میر حسنؔ کا انتقال ہوا۔

میر حسنؔ میں شاعری کا ملکہ موروثی تھا اور ابتدا میں انھوں نے شعر و فن کی اصلاح اپنے والد ہی سے لی تھی۔ پھر خواجہ میر دردؔ اور ضیا الدین ضیاؔ سے بھی اصلاحِ سخن لیتے رہے۔

میر حسنؔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ میر حسنؔ کی شہرت ان کی غزلیات یا قصائد نہیں بلکہ ان کی شاہ کار مثنوی ''سحر البیان'' ہے۔ مثنوی نگاری میں میر حسنؔ کو کمال حاصل تھا۔ ''سحر البیان'' ایک منظوم داستان ہے جو اپنے نام کی طرح واقعی زبان و بیان کا سحر ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر مصحفی نے انھیں ''شاعرِ شیریں بیان'' کہا تھا۔

''سحر البیان'' اگرچہ لکھنؤ میں لکھی گئی تھی، مگر زبان و بیان کی سادگی و سلامت اور روز مرہ محاورے کے اعتبار سے یہ مثنوی دبستانِ دِلّی کی نمائندہ مثنوی بن گئی۔ ''سحر البیان'' اپنے عہد کی آئینہ دار مثنوی ہے۔ اس میں اس زمانے کے رسوم و رواج، تہذیب و تمدن اور درباری شان و شوکت کی جھلکیاں صاف دکھائی دیتی ہیں۔

سحر البیان دل کش زبان و بیان، روز مرہ، محاورہ، صفائی و شستگی، سادگی و بے تکلفی، روانی و بے ساختگی، ربط و تسلسل، جزئیات نگاری، منظر نگاری واقعہ نگاری، جذبات نگاری اور شیریں بیانی کا حسین مرقع ہے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۴

داستان تیّاری میں باغ کی

تدریسی مقاصد:

- ☆ مثنوی کی صنف اور اس کی نمایاں خصوصیات سے آگاہی حاصل کرنا
- ☆ زبان و بیان کی لطافت اور کلاسیکی اسلوب سے لطف اندوز ہونا
- ☆ تنقیدی، تخلیقی اور جمالیاتی صلاحیتوں کو فروغ دینا

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہُوا رشک سے جس سے لالہ کو داغ

عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان

چقیں اور پردے بندھے زرنگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

سُنہری مغرّق چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کی گُل کاریاں

دیے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگُنا لطف اس میں سما

وہ مخمل کا فرش اس میں سُتھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگِ مرمر کی چوپڑ کی نہر
گئی چار سُو اس کے پانی کی لہر

www.ilmkidunya.com

رَوِش کی صفائی پہ بے اختیار
گُلِ اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ، گُل سے چمن
کہیں نرگس و گُل کہیں یاسمن

عجب چاندنی میں گُلوں کی بہار
ہر اک گُل سفیدی سے مہتاب دار

چمن آتشِ گُل سے دہکا ہُوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

(''مثنوی سحرالبیان'' سے انتخاب)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ نظم کے متن کے مطابق درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) بادشاہ نے کس قسم کا باغ ترتیب دیا؟

(ب) باغ کی عمارت کے در، سائبان اور پردے کیسے تھے؟

(ج) باغ کی عمارت کے حسن میں چوگنا لطف کیسے پیدا ہوا؟

(د) باغ کی نہر کس طرح کی تھی؟

(ہ) باغ میں کون سے پھول کھلے تھے؟

۲۔ نظم کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں:

(الف) خانہ باغ ترتیب دیا:

(i) شہزادے نے (ii) بادشاہ نے (iii) ملکہ نے (iv) وزیر نے

(ب) باغ کی عمارت کے سائبان بنے ہوئے تھے:

(i) موتیوں کے (ii) زربفت کے (iii) زروجواہر کے (iv) لعل و جواہر کے

(ج) دروں پر دست بستہ کھڑی ہوئی تھی:

(i) پری (ii) کنیز (iii) بہار (iv) خوشی

(د) باغ میں ہر طرف لگے ہوئے تھے:

(i) پتھر (ii) موتی (iii) ہیرے (iv) آئینے

(ہ) سارا چمن دہک رہا تھا:

(i) آگ سے (ii) آتش سے (iii) آتشِ گل سے (iv) چنگاریوں سے

۳۔ بادشاہ نے شہزادے کے لیے جو خانہ باغ تعمیر کروایا اُس کے در و دیوار، چھتوں اور فرش وغیرہ کی تفصیل بیان کریں۔

۴۔ لغات کی مدد سے معانی تلاش کریں:

خانہ باغ، دست بستہ، زربفت، زرنگار، گل کاریاں،

پارچہ، پائے ہوس، روش، گُلِ اشرفی، آتشِ گل

۵۔ اپنے قریبی علاقے میں موجود کسی باغ کی سیر کریں اور اُس کا منظر مؤثر انداز میں بیان کریں۔

۶۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد تحریر کریں:

تعمیر، باغ، ساریاں، گل کاریاں، نہر، چھتیں، دروں

۷۔ ''مثنوی سحر البیان'' کا مطالعہ کریں اور اُس میں بیان کردہ داستان کا خلاصہ تحریر کریں۔

۸۔ ''داستان تیاری میں باغ کی'' کے اشعار میں علمِ بیان و بدیع کے بہت سے پہلو موجود ہیں، مثلاً: تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل، مبالغہ، رعایتِ لفظی، مراعات النظیر اور حُسنِ تعلیل وغیرہ۔ آپ ان کی نشان دہی کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ ''موسمِ بہار'' کے موضوع پر ایک سیر حاصل مضمون تحریر کریں۔ موضوع کی مناسبت سے موزوں اشعار استعمال کریں۔

☆ آپ انٹرنیٹ پر ''جشنِ بہاراں'' کے سلسلے میں منعقدہ محفلِ مشاعرہ دیکھیں اور اُس کی رُوداد بیان کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ سے مشہور داستانوں کے بارے میں سوالات کریں۔

☆ مثنوی ''سحر البیان'' کا مختصر پس منظر بیان کریں۔

☆ شاملِ سبق منتخب اشعار کو خوش ذوقی سے پڑھیں۔

☆ تشبیہ و استعارہ، منظر نگاری، جذبات نگاری اور مکالمہ نگاری جیسے عناصر کی نشان دہی کروائیں۔

www.ilmkidunya.com

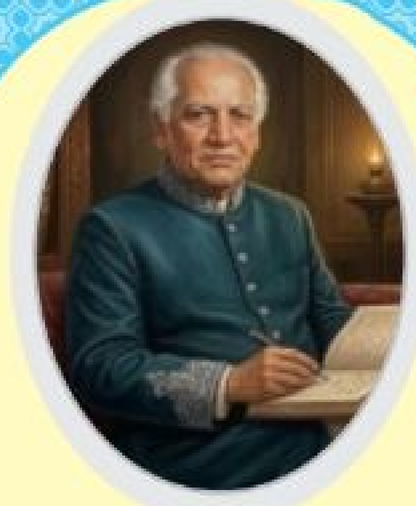

فیض احمد فیضؔ
(۱۹۱۱ء ۔ ۱۹۸۵ء)

فیض احمد فیضؔ سیال کوٹ کے ایک گاؤں کالا قادر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد چودھری سلطان محمد خاں بار ایٹ لا، سیال کوٹ کے وکیل اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین تھے۔ فیض احمد فیضؔ نے عربی، فارسی، اُردو، حفظِ قرآن اور مذہبی تعلیم مولوی ابراہیم میر سیال کوٹی کے مکتب سے حاصل کی۔

میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ مَرے کالج سیال کوٹ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج، لاہور میں داخل ہوئے۔ یہاں سے انگریزی میں ایم۔اے کیا اور بعد میں اورینٹل کالج سے عربی میں ایم۔اے کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد فیضؔ ایم۔اے۔او کالج، امرتسر میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ آپ نے معروف ادبی مجلّے ''ادبِ لطیف'' کی ادارت بھی کی۔ اس کے بعد ہیلے کالج میں انگریزی بھی پڑھاتے رہے۔ اسی دوران میں ان کا پہلا شعری مجموعہ ''نقشِ فریادی'' شائع ہوا۔ اس دور میں فیضؔ نے ایک برطانوی نژاد خاتون ''ایلس جارج'' سے شادی کی جنھوں نے قدم قدم پر فیضؔ کا ساتھ دیا۔

جنگِ عظیم دوم کے دوران میں فیض فوج میں ملازم ہوئے اور پانچ سال کے بعد استعفیٰ دے کر لاہور آ گئے۔ آپ روزنامہ ''امروز''، ''پاکستان ٹائمز'' اور ''لیل و نہار'' کے مدیر بھی رہے۔ امورِ ثقافت و وزارتِ تعلیم پاکستان کے مشیر رہے۔ فلسطینی رہنما یاسر عرفات کی زیرِ نگرانی بیروت سے شائع ہونے والے ایفروایشیائی سہ ماہی مجلّے ''Lotus'' کے مدیرِ اعلیٰ رہے۔ نومبر ۱۹۸۱ء میں پاکستان واپس آ گئے۔ فیض نے جہاں اور جس عہدے پر بھی ملازمت کی، شعر و شاعری کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رکھا۔

ان کی اہم تصانیف میں ''نقشِ فریادی''، ''دستِ صبا''، ''دستِ تہِ سنگ''، ''سرِ وادیِ سینا''، ''شامِ شہرِ یاراں''، ''مرے دل، مرے مسافر'' اور ''غبارِ ایّام'' شامل ہیں جو ان کی وفات کے بعد ''نسخہ ہائے وفا'' کے نام سے یکجا شائع ہوئیں۔ فیضؔ کی شاعری کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اُنھوں نے پرانی علامتوں کو نئے نئے معنی دیے اور فکر و خیال سے سیدھے سادے الفاظ و تراکیب اور تشبیہات و استعارات کو اتنی خوب صورتی سے استعمال کیا کہ ان میں نئی معنویت پیدا کر دی یعنی انھوں نے نہ صرف قدیم اُردو شاعری کی روایات سے فائدہ اٹھایا بلکہ جدید شعری سرمائے سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ سوز و گداز فیضؔ کی شاعری کا خاص پہلو ہے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۵

نثار میں تیری گلیوں کے۔۔۔

تدریسی مقاصد:

- ☆ جذبۂ حب الوطنی اور ظُلم کے خلاف مزاحمت کے مفہوم سے روشناس ہونا
- ☆ ترقی پسند تحریک کے بنیادی تصورات سے آگاہی حاصل کرنا
- ☆ فیض احمد فیض کے اسلوب (سادگی، اثر آفرینی اور انقلابی لہجہ) کا مطالعہ کرنا

www.ilmkidunya.com

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چُرا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے

ہے اہلِ دل کے لیے اب یہ نظمِ بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقیّد ہیں اور سگ آزاد(۱)

بہت ہے ظلم کے دستِ بہانہ جُو کے لیے
جو چند اہلِ جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہل ِہوس، مدّعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں

مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صبح و شام کرتے ہیں

۱۔ سنگ ہا را بستند و سگاں را کشادند (شیخ سعدیؒ)

بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہو گی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سَحَر ترے رُخ پر بکھر گئی ہو گی

غَرَض تصوّرِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خَلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے نہ اپنی رِیت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

اِسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

گر آج تُجھ سے جُدا ہیں تو کل بہم ہوں گے
یہ رات بھر کی جُدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اَوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں

جو تجھ سے عہدِ وفا اُستوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

(دستِ صبا)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ نظم کے متن کے مطابق درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) شاعر کے نزدیک وطن کی گلیوں میں کیا رسم چل نکلی ہے؟

(ب) اہلِ دل کے لیے کون سا نظام رائج ہو چکا ہے؟

(ج) اہلِ ہوس کیا بن گئے ہیں؟

(د) روزنِ زنداں کے بجھنے پر شاعر نے کیا ردِ عمل دیا؟

(ہ) شاعر نے طالعِ رقیب کے بارے میں کیا کہا ہے؟

۲۔ نظم کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

(الف) وطن میں سر اٹھا کر چلنے کی چلی ہے:

(i) ہوا (ii) لہر (iii) رسم (iv) ادا

(ب) وطن کے چاہنے والے طواف کو نکلتے ہیں تو چُرا کر چلتے ہیں:

(i) دل (ii) نظر (iii) آنکھ (iv) پہلو

(ج) سنگ و خشت مقیّد ہیں اور آزاد ہیں:

(i) چور (ii) ڈاکو (iii) سگ (iv) لٹیرے

(د) گزارنے والوں کے گزرتے ہیں:

(i) قافلے (ii) ایام (iii) مہینے (iv) دن

(ہ) اس نظم کے شاعر ہیں:

(i) علامہ محمد اقبالؒ (ii) ظفر علی خاں (iii) فیض احمد فیضؔ (iv) حسرتؔ موہانی

۳۔ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں اور موضوع کے مطابق حوالہ جات/ اشعار وغیرہ شامل کریں:

بہت ہے ظلم کے دستِ بہانہ جُو کے لیے
جو چند اہلِ جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس، مدّعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں

۴۔ اس نظم کا خلاصہ تحریر کریں۔

www.ilmkidunya.com

۵۔ اس نظم میں استعمال ہونے والے مرکبات کی نشان دہی کریں اور اُنھیں جملوں میں استعمال کریں۔

۶۔ فیض احمد فیض بہ یک وقت حسن و عشق، رومانویت اور احتجاج و مزاحمت کے شاعر ہیں۔ انھوں نے خوب صورت علامتی انداز میں معاشرے کے پس ماندہ، غربت و افلاس سے مجبور اور محروم طبقے کے لیے بھی آواز اٹھائی۔ فیض کے اشعار کی روشنی میں معاشرے سے غربت اور معاشی عدم مساوات کے خاتمے کے موضوع پر تقریر تیار کریں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ کی جمع بنائیں:

رسم، جسم، سگ، ظُلم، مُدعی، وکیل، تصور، خلق، سبب، فلک

۸۔ برصغیر میں آزادی و حریت کے نمایاں کرداروں کی روشنی میں آزادی کی عظمت و اہمیت پر مضمون تیار کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ پر ''فیض امن میلا'' کی سرگرمیاں دیکھیں اور تبصرہ کریں۔

☆ فیض احمد فیضؔ کی نظم ''یاد'' انٹرنیٹ سے تلاش کر کے سنیں اور اسے یاد کر کے بزمِ ادب میں سنائیں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ نظم کا مختصر اور جامع تعارف کرائیں کہ یہ نظم کن سیاسی و سماجی پس منظر میں لکھی گئی۔

☆ طلبہ سے جذبۂ حُب الوطنی کے حقیقی تقاضوں کے حوالے سے سوالات کریں۔

☆ اشعار کی معنوی گہرائی کے لیے استعاروں اور علامتوں کی وضاحت کریں۔

☆ طلبہ سے اُن کے کسی پسندیدہ شعر کی تشریح لکھوائیں۔

www.ilmkidunya.com

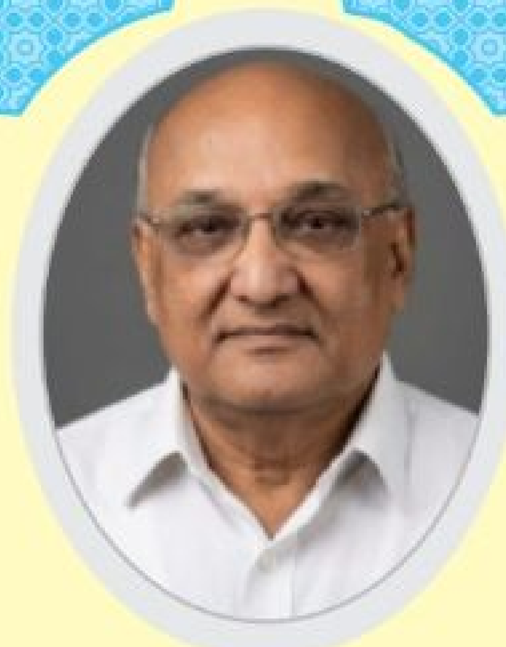

امجد اسلام امجد

(۱۹۴۴ء۔ ۲۰۲۳ء)

امجد اسلام امجد لاہور میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان مسلم ماڈل ہائی سکول، لاہور سے پاس کیا۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے بی۔اے اور اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ایم۔اے اردو امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ وہ پنجاب یونیورسٹی لٹریری سوسائٹی کے چیئرمین اور جامعہ کے ادبی مجلّے "محور" کے مدیر بھی رہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز گورنمنٹ ایم۔اے۔او کالج، لاہور سے کیا۔ چلڈرن لائبریری کمپلیکس لاہور اور اردو سائنس بورڈ لاہور سے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں وہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور (کالعدم) کے شعبہ نصاب کے ڈائریکٹر بھی رہے۔

امجد اسلام امجد ایک صاحبِ اسلوب ادیب تھے۔ اگرچہ انھوں نے ڈراما نگاری، تنقید اور سفرنامہ نگاری سمیت مختلف اصنافِ ادب میں طبع آزمائی کی، تاہم ان کی بنیادی شناخت ایک صاحبِ اسلوب شاعر کی حیثیت سے قائم ہوئی۔ ان کی شاعری میں کلاسیکی روایت اور جدید رجحانات کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ انھوں نے غزل اور نظم دونوں اصناف میں کامیابی سے طبع آزمائی کی۔

امجد اسلام امجد کی اہم شعری تصانیف میں "برزخ"، "ساتواں در"، "فشار"، "ذرا پھر سے کہنا"، "محبت ایسا دریا ہے"، "بارش کی آواز"، "شام سرائے" اور "اتنے خواب کہاں رکھوں گا" وغیرہ شامل ہیں۔

حکومتِ پاکستان کی طرف سے انھیں تمغا برائے حسنِ کارکردگی اور ستارۂ امتیاز کے اعزازات سے نوازا گیا۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۶

نئی نسل کا نوحہ

تدریسی مقاصد:

- ☆ نظم کے معانی ومفاہیم کا ادراک حاصل کرنا
- ☆ نسلِ نو کے رویوں اور معاشرتی تبدیلیوں کا تنقیدی جائزہ لینا
- ☆ نظم کے شعری وادبی محاسن سے روشناس ہونا

www.ilmkidunya.com

مَیں سوچتا ہوں
لکھا ہے جو کچھ، پڑھا ہے جو کچھ، وہ کس لیے تھا
کہاں سے پوچھوں!
وہ کس لیے ہے کسے بتاؤں!
مجھے عقیدوں کے خواب دے کر کہا گیا ان میں روشنی ہے
چمکتی قدروں کی چھب دکھا کر مجھے بتایا یہ زندگی ہے
سکھائے مجھ کو کمال ایسے
یقیں نہ لائیں سکھانے والے اگر انھیں کو میں جا سناؤں
میں کُہنہ آنکھوں کی دسترس میں نئے مناظر کہاں سے لاؤں
کہاں پہ جنسِ کمال رکھوں، خیالِ تازہ کہاں سجاؤں
زمین پاؤں تلے نہیں ہے، تو کیسے تاروں کی سَمت جاؤں
پرانی قدریں جو محترم ہیں
انھیں سنبھالوں یا آنے والے نئے عقیدوں کا بھید پاؤں

وہ سب عقیدے، تمام قدریں، خیال سارے
جو مجھ کو سکّے بنا کے بخشے گئے تھے میرے حواسِ خمسہ سے معتبر تھے
جب ان کو رہبر بنا کے نکلا
تو مَیں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے
مَیں ایسے بازار میں کھڑا ہوں جہاں کرنسی بدل چکی ہے

(برزخ)

مشق

۱۔ نظم کے متن رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) لکھا ہے جو کچھ ______ ہے جو کچھ وہ کس لیے تھا
(ب) مجھے ______ کے خواب دے کر کہا گیا، ان میں ______ ہے
(ج) چمکتی قدروں کی ______ دکھا کر مجھے بتایا یہ ______ ہے
(د) میں ______ آنکھوں کی دسترس میں نئے ______ کہاں سے لاؤں
(ہ) کہاں پہ ______ کمال رکھوں، خیال ______ کہاں سجاؤں

۳۔ زیرِ نظر نظم کے اہم نکات مدِ نظر رکھتے ہوئے خلاصہ تحریر کریں۔

۴۔ اس نظم کا بغور مطالعہ کریں اور بتائیں کہ نئی نسل کس کش مکش کا شکار ہے؟

۵۔ علّامہ اقبالؒ کے اس شعر کی روشنی میں نظم ''نئی نسل کا نوحہ'' کا تجزیہ کریں:

آئینِ نَو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

۶۔ ایک پُرانے سکّے کی آپ بیتی تحریر کریں۔

۷۔ ''روایتی نظامِ اقدار اور جدید طرزِ حیات'' کے موضوع پر مضمون قلم بند کریں۔

www.ilmkidunya.com

آزادنظم:

نظم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ آزاد نظم ایک جدید قسم ہے جو انگریزی ادب سے اردو میں آئی۔ اس نظم میں کسی خاص بحر کی پابندی تو کی جاتی ہے لیکن قافیہ / ردیف اور ارکان کے مساوی ہونے کی پابندی نہیں کی جاتی۔ مصرعوں کے ارکان کم، زیادہ یعنی چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں۔ اس نظم کے ذریعے سے شاعر آسانی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔

۸۔ اُردو میں آزاد نظم کے شاعروں میں ن۔م راشد، میرا جی اور مجید امجد کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ طلبہ مجید امجد کی نظم ''طلوعِ فرض'' تلاش کریں اور اس پر اظہارِ خیال کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ ''ذہنی دباؤ پر قابو پانا'' کے موضوع پر ایک فکری نوٹ قلم بند کریں۔

☆ امجد اسلام امجد کی کتاب ''محبت ایسا دریا ہے'' انٹرنیٹ سے تلاش کریں اور اپنی پسندیدہ نظم بزمِ ادب میں سنائیں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ سے نئی اور پرانی نسل کے مسائل سے متعلق سوالات کریں۔

☆ نظم موثّر انداز میں پڑھیں اور چند طلبہ سے بھی بلند خوانی کروائیں تاکہ تلفظ اور روانی بہتر ہو۔

☆ نظم کے مشکل مقامات کو سہل بنا کر پیش کریں۔

☆ نظم کے موضوع پر گروہی مباحثہ کروائیں۔

www.ilmkidunya.com

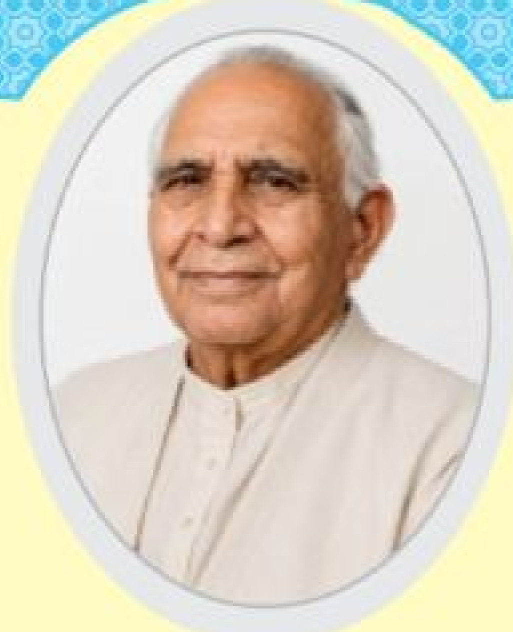

سیّد ضمیر جعفری

(۱۹۱۶ء۔۱۹۹۹ء)

اصل نام سیّد ضمیر حسین شاہ تھا اور ادبی دنیا میں ضمیر جعفری کے نام سے معروف ہوئے۔ وہ ضلع جہلم کے گاؤں چک عبدالخالق میں ایک معزز سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے جہلم میں حاصل کی اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کی ادبی صلاحیتیں نمایاں ہو چکی تھیں اور وہ بزمِ ادب کی سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لیتے تھے۔

سیّد ضمیر جعفری نے لاہور سے روزنامہ ''احسان'' کے ذریعے صحافتی و ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ چراغ حسن حسرتؔ کے رسالے ''شیرازہ'' کے مدیر بھی رہے۔ بعدازاں فوج کے تعلقاتِ عامہ کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ وہ اکادمی ادبیات پاکستان سے بھی وابستہ رہے۔

سیّد ضمیر جعفری کا شمار اردو کے ممتاز مزاح نگار شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ لفظوں کے ایسے پیکر تراشتے ہیں کہ متعلقہ موضوع اپنی پوری معنویت کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں شگفتگی، برجستگی اور ظرافت کے ساتھ گہرا سماجی شعور بھی موجود ہے۔ وہ اپنے عہد کی سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی کمزوریوں کو نہایت دل نشیں انداز میں بے نقاب کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت تہ داری ہے؛ بظاہر ہلکے پھلکے اشعار میں گہرا فکری پیغام پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے عہد کے ارتعاشات کو مزاح کے پیرائے میں بیان کر کے قاری کو ہنسنے کے ساتھ ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔

سیّد ضمیر جعفری کی شان دار ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے انھیں تمغائے قائداعظمؒ اور صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی سے نوازا گیا۔

سیّد ضمیر جعفری کے اہم شعری مجموعوں میں ''اُڑتے خاکے''، ''نظر غبارے''، ''مافی الضمیر''، ''ولایتی زعفران''، ''ضمیریات''، ''کھلیان''، ''ضمیر زاویے'' وغیرہ شامل ہیں، جو بعدازاں ''نشاطِ تماشا'' کے نام سے کلیات کی صورت میں بھی چھپ چکے ہیں۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۷

مَیں روزے سے ہُوں

تدریسی مقاصد:

- ☆ ضمیر جعفری کے اُسلوبِ نگارش سے تعارف حاصل کرنا
- ☆ نظم میں استعمال ہونے والے طنزیہ اور مزاحیہ اسلوب کی شناخت کرنا
- ☆ روزے کی حالت میں انسانی نفسیات اور رویوں کی عکاسی کا ادراک حاصل کرنا
- ☆ روزے کے اصل مقصد (صبر، برداشت، حُسنِ اخلاق) کو اجاگر کرنا

www.ilmkidunya.com

مُجھ سے مت کر یار کچھ گفتار، مَیں روزے سے ہوں
ہو نہ جائے تجھ سے بھی تکرار ، مَیں روزے سے ہوں

ہر کسی سے کرب کا اظہار ، مَیں روزے سے ہوں
دو کسی اخبار کو یہ تار ، مَیں روزے سے ہوں

میرا روزہ اک بڑا احسان ہے لوگوں کے سر
مجھ کو ڈالو موتیے کے ہار ، مَیں روزے سے ہوں

مَیں نے ہر فائل کی ڈُمچی پر یہ مصرع لکھ دیا
کام ہو سکتا نہیں سرکار ، مَیں روزے سے ہوں

اے مری بیوی مرے رستے سے کچھ کترا کے چل
اے مرے بچو! ذرا ہشیار ، مَیں روزے سے ہوں

شام کو بہرِ زیارت آ تو سکتا ہوں مگر
نوٹ کر لیں دوست رشتہ دار ، مَیں روزے سے ہوں

تُو یہ کہتا ہے لحن تَر ہو کوئی تازہ غزل
مَیں یہ کہتا ہوں کہ برخوردار! مَیں روزے سے ہوں

(مافی الضمیر)

مشق

۱۔ نظم کے متن کے مطابق درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) شاعر اپنے یار سے گفتار کیوں نہیں کرنا چاہتا؟

(ب) شاعر اخبار کو کیا تار دینے کا آرزومند ہے؟

(ج) شاعر روزہ رکھ کر کس پر احسان جتا رہا ہے؟

(د) شاعر نے ہر فائل کی دُمچی پر کیا مصرع لکھ دیا ہے؟

(ہ) شاعر کا روزہ رکھ کر بیوی بچوں کے ساتھ کیسا معاملہ ہے؟

۲۔ نظم کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں:

(الف) سیّد ضمیر جعفری کی شاعری ہے:

(i) سنجیدہ (ii) عوامی (iii) مزاحیہ (iv) فلسفیانہ

(ب) نظم ''میں روزے سے ہوں'' کی ہیئت ہے:

(i) مسدّس (ii) مخمس (iii) قطع بند (iv) مثنوی

(ج) شاعر یار سے بات کرتے ہوئے کس بات سے ڈرتا ہے:

(i) تکرار سے (ii) بحث سے (iii) لڑائی سے (iv) ناراضی سے

(د) شاعر اپنے روزے کے بارے میں تار دینا چاہتا ہے:

(i) سسرال کو (ii) دوستوں کو (iii) اخبار کو (iv) یار کو

(ہ) شاعر چاہتا ہے اُسے ہار ڈالے جائیں:

(i) گلاب کے (ii) موتیے کے (iii) چنبیلی کے (iv) نوٹوں کے

(و) شاعر نے ہر فائل کی دمچی پر لکھ دیا ہے:

(i) شعر (ii) مصرع (iii) فیصلہ (iv) نوٹ

www.ilmkidunya.com

۳۔ درج ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

گفتار، تکرار، کرب، اخبار، تار، اظہار، ہار، فائل، ڈیمچی، سرکار، زیارت

۴۔ نظم ''میں روزے سے ہوں'' کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

۵۔ شاعر نے اس نظم میں طنز و مزاح کے جو پہلو اختیار کیے ہیں اُن کی وضاحت کریں۔

۶۔ اپنے دوست کے نام خط لکھ کر اسے ''روزے کے آداب'' سے روشناس کرائیں۔

۷۔ زیرِ مطالعہ نظم کے قوافی اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

۸۔ نظم ''مَیں روزے سے ہوں'' کو تحت اللفظ انداز میں پڑھیں اور صحتِ تلفظ کا خاص خیال رکھیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ سیّد ضمیر جعفری کی مزاحیہ نظم ''پرانی موٹر'' انٹرنیٹ سے تلاش کریں اور دوستوں کو پڑھ کر سنائیں۔

☆ موزوں طبع طلبہ مزاحیہ نظم لکھنے کی مشق کریں۔

www.ilmkidunya.com

برائے اساتذہ کرام:

☆ طلبہ سے سبق سے متعلق مختلف سوالات کریں اور طلبہ سے اُن کی ذاتی آرا پوچھیں۔

☆ مناسب زیر و بم اور مزاحیہ انداز میں نظم پڑھ کر سنائیں۔

☆ روزمرہ زندگی سے مثالیں دے کر نظم کا مفہوم واضح کریں۔

☆ کسی اور مزاحیہ شاعر کے اُسلوب سے موازنہ کروائیں۔

حصہ غزل

www.ilmkidunya.com

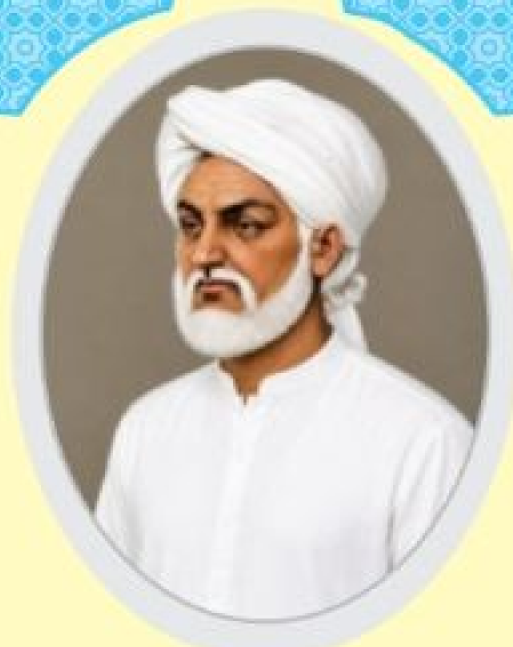

www.ilmkidunya.com

خواجہ میر دردؔ

(۱۷۲۰ء۔ ۱۷۸۵ء)

نام خواجہ میر اور تخلص دردؔ تھا۔ دردؔ دِلّی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ محمد ناصر بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے اور عندلیب تخلص کرتے تھے۔ ان کا دیوان ''نالۂ عندلیب'' کے نام سے مشہور ہے۔ دردؔ کے آباو اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ دردؔ کے والد شاہی منصب دار تھے، مگر اپنی درویشانہ طبع کی بنا پر دنیا داری ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ چناں چہ شاعری اور تصوف کا رجحان دردؔ کو ورثے میں ملا تھا۔ دردؔ نے صرف گیارہ برس کی عمر میں قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ اور تصوف کی تعلیم بھی حاصل کر لی تھی۔ دِلّی میں دردؔ کے خاندان کا ایک وسیع حلقۂ ارادت و عقیدت موجود تھا۔ دردؔ ابھی ۲۹ برس ہی کے تھے کہ اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے سجّادہ نشین ہو گئے۔ زُہد و تقویٰ اور توکّل و استغنا دردؔ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دِلّی تاراج ہوئی تو اکثر شعرا دِلّی سے لکھنؤ ہجرت کر گئے مگر دردؔ اللہ پر توکّل علی اللہ کے سبب دِلّی سے باہر نہ نکلے۔ دردؔ زندگی کے آخری لمحات تک دِلّی ہی میں مقیم رہے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

دردؔ کا سارا دیوان سراپا انتخاب ہے۔ دردؔ نے جتنا بھی لکھا اس کا انتخاب نہایت احتیاط سے کیا اور تمام کم درجہ اشعار قلم زد کر دیے۔ دردؔ کی شاعری صوفیانہ رنگ میں رچی ہوئی ہے۔ اخلاقیات، سلوک و معرفت کے حقائق، صبر، توکّل، استقامت، فنا، تصوّف جیسے موضوعات دردؔ کے کلام میں جا بہ جا دکھائی دیتے ہیں۔ دردؔ کی شاعری میں عشقِ حقیقی کے ساتھ ساتھ عشقِ مجازی کے اشعار بھی موجود ہیں۔ گویا ان کا کلام تصوّف اور تغزل کا بہترین امتزاج ہے۔ سادگی و سلاست، اثر آفرینی، سوز و گداز، نفاست و صفائی، صداقت و خلوص اور نغمگی و غنائیت دردؔ کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

سبق: ۱۸

غزل

تدریسی مقاصد:

- ☆ غزل کے حُسنِ بیان، سادگی اور اثر آفرینی کو محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- ☆ خواجہ میر دردؔ کی صوفیانہ شاعری کی خوبیوں کے بارے میں جاننا
- ☆ تصوف کے بنیادی موضوعات سے روشناس کرانا
- ☆ شعری محاسن کی پہچان اور اُن کے موزوں اِستعمال کا ادراک حاصل کرنا

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تُو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تُو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ، فریاد، آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
دردؔ کو قصہ مختصر دیکھا

(دیوانِ خواجہ میر دردؔ)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جوابات دیں:

(الف) شاعر کو جگ میں ہر طرف کیا نظر آتا ہے؟

(ب) جان سے بدن کیوں کر خالی ہو گئے؟

(ج) کیا آہ وزاری اور نالہ وفریاد سے شاعر کو اپنا مقصود حاصل ہوا؟

(د) مسیحائی سے کیا مراد ہے؟

(ہ) خواجہ میر درد کی وجہِ شہرت کیا ہے؟

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) جگ میں آ کر دیکھا:

(الف) اِدھر (ب) اُدھر (ج) جدھر کدھر (د) اِدھر اُدھر

(ii) جان سے خالی ہو گئے:

(الف) تن (ب) بدن (ج) جسم (د) وجود

(iii) ''آنکھ بھر دیکھنا'' قواعد کی رو سے کیا ہے؟:

(الف) استعارہ (ب) محاورہ (ج) ضرب المثل (د) کنایہ

(iv) ان لبوں نے نہ کی:

(الف) بات (ب) شاعری (ج) مسیحائی (د) گفتگو

(v) شاعر سے صرف ہو سکا:

(الف) حوصلہ (ب) مبالغہ (ج) عمل (د) نالہ وفریاد، آہ وزاری

۳۔ اشعار مکمل کریں:

i۔	جان سے ہو گئے بدن خالی	
ii۔	ان لبوں نے نہ کی مسیحائی	
iii۔	نالہ، فریاد، آہ اور زاری	
iv۔	زور عاشق مزاج ہے کوئی	

www.ilmkidunya.com

۴۔ درج ذیل شعر کی تشریح کریں:

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

۵۔ زیرِ نظر غزل کے چوتھے شعر میں موجود رعایتِ لفظی کی شناخت اور توضیح کریں۔

۶۔ درج ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

جان، لب، مسیحا، مسیحائی، مزاج، قِصّہ، درد، فریاد

۷۔ زیرِ مطالعہ غزل کے قوافی کی فہرست تیار کریں۔

۸۔ کالم: الف کے متعلقہ الفاظ کو کالم: ب سے ملائیں:

کالم: الف	کالم: ب
اِدھر	بھر
آنکھ	عاشق مزاج
لب	قصّہ مختصر
زور	اُدھر
درد	مسیحائی

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- ☆ خواجہ میر دردؔ کی اس غزل کا موازنہ کسی دیگر صوفی شاعر کے کلام سے کریں۔
- ☆ خواجہ میر دردؔ کی شاعری کے حوالے سے باہم گفتگو کریں۔
- ☆ خواجہ میر دردؔ کی اس غزل کے اہم موضوعات پر نوٹ تیار کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

- ☆ خواجہ میر دردؔ کی شخصیت، عہد اور ان کی تصوف سے وابستگی پر مختصر روشنی ڈالیں۔
- ☆ غزل کو خوب صورت لہجے میں پڑھ کر سنائیں، پھر طلبہ سے بھی پڑھوائیں تا کہ غزل کے آہنگ اور تاثیر سے لطف اندوز ہوں۔
- ☆ مشکل الفاظ، تراکیب کے معانی و مطالب کی توضیح کریں۔
- ☆ تشبیہ، استعارہ اور سادگیِ بیان کی مثالیں متن سے تلاش کروائیں۔

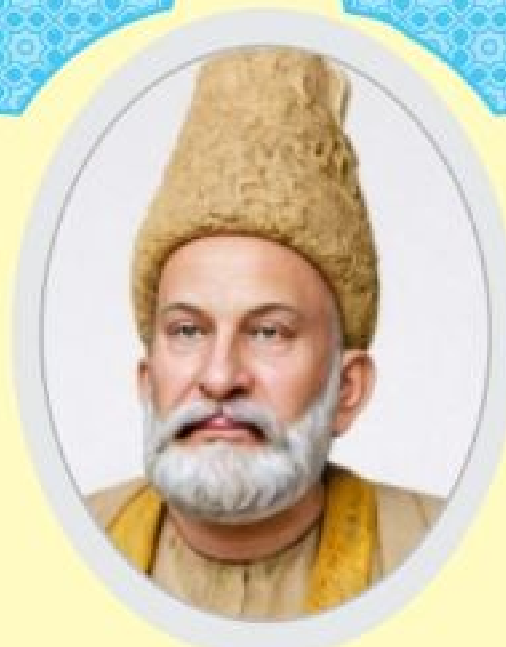

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ
(۱۷۹۷ء۔ ۱۸۶۹ء)

نام مرزا اسد اللہ بیگ اور غالبؔ تخلص تھا۔ غالبؔ اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ تھا۔ اُن کے آباواجداد ایبک قوم کے ترک تھے جو سمرقند سے ہجرت کر کے برِصغیر پاک و ہند میں آباد ہو گئے۔ غالبؔ ابھی پانچ برس کے تھے کہ ان کے والد ایک جنگ میں مارے گئے۔ پھر غالبؔ کی پرورش کی ذمہ داری ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ پر آن پڑی۔ چار سال بعد چچا بھی وفات پا گئے اور یوں غالبؔ کی کفالت کی ذمہ داری اُن کے نانا جان نے لے لی۔

غالبؔ جب تیرہ برس کے ہوئے تو اُن کی شادی نواب الٰہی بخش معروف کی بیٹی امراؤ بیگم سے کر دی گئی۔ غالبؔ اپنے کثیر اخراجات کی بنا پر ہمیشہ تنگ دست اور مقروض رہے، اُن کا کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہ تھا بلکہ چچا کی جو پنشن اُنھیں ملا کرتی تھی وہ بھی بوجوہ بند ہو گئی۔ البتہ غالبؔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد بھی مقرر ہوئے تھے اور یوں اُن کی معاشی حالت کچھ حد تک بہتر ہو گئی۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد کے بدترین حالات کو غالبؔ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ غالبؔ کی ذاتی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ دِلّی کی تاراجی، سیاسی و معاشرتی زبوں حالی نے غالبؔ کو بہت متاثر کیا۔ بالخصوص غالبؔ کی زندگی کا آخری حصہ بہت ہی زیادہ دُکھوں اور تکلیفوں میں گزرا۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو غالبؔ کا دِلّی ہی میں انتقال ہوا۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ اُن کی فنی عظمت کو ہر اک نے سراہا ہے۔ غالبؔ اُردو اور فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے غالبؔ کی ہمہ گیر شخصیت کی طرح اُن کی شاعری میں بڑا تنوع اور بوقلمونی پائی جاتی ہے۔ غالب کے یہاں موضوعات کا اک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ اُن کی شاعری کی نمایاں خصوصیات میں انفرادیت، جدّتِ ادا، پہلو داری، معنی آفرینی، نادر تشبیہات و استعارات، نئے نئے الفاظ و تراکیب، طنز و ظرافت اور آفاقیت وغیرہ شامل ہیں۔

اہم تصانیف: دیوانِ غالب (اُردو)، کلیاتِ غالب (فارسی)، عودِ ہندی (خطوط)، اردوئے معلّٰی (خطوط)، پنج آہنگ (فارسی نثر)، مہرِ نیمروز (فارسی)، دستنبو (فارسی) وغیرہ

www.ilmkidunya.com

سبق:۱۹

غزل

تدریسی مقاصد:

- ☆ زندگی کی حقیقت، اِنسانی خواہشات کی نارسائی اور کائناتی نظام کا شعور حاصل کرنا
- ☆ غزل کے اسلوب، خیال آفرینی اور مرزا غالب کے منفرد اندازِ بیاں کو سمجھنا
- ☆ غزل پڑھ کو حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کرنا

سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

قید میں یعقوبؑ نے لی گو نہ یوسفؑ کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

جُوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
مَیں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مِٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہِ کنعاں ہوگئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں!
دیکھنا ان بستیوں کو تُم کہ ویراں ہو گئیں

(دیوانِ غالبؔ)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) لالہ وگل سے کیا مراد ہے؟

(ب) غالبؔ کن چیزوں کے بھول جانے کا افسوس کر رہا ہے؟

(ج) جوئے خوں، شامِ فراق اور شمع میں کیا باہمی تعلق ہے؟

(د) رقابت کی روایت سے ہٹ کر زلیخا، زنانِ مصر سے کیوں خوش تھی؟

(ہ) غالبؔ کے نزدیک رنج کو مٹانے کا کیا طریقہ ہے؟

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) لالہ وگل میں نمایاں ہو گئیں:

(الف) نکہتیں　(ب) صورتیں　(ج) مورتیں　(د) حیرتیں

(ii) طاقِ نسیاں کا نقش ونگار بنی ہیں رنگا رنگ:

(الف) حُسن آرائیاں　(ب) جمال آرائیاں　(ج) بزم آرائیاں　(د) خیال آرائیاں

(iii) ''نقش ونگار'' مرکب ہے:

(الف) عطفی　(ب) توصیفی　(ج) اضافی　(د) عددی

(iv) غزل کا آخری شعر جس میں تخلّص موجود ہو کیا کہلاتا ہے:

(الف) مطلع　(ب) مقطع　(ج) حسنِ مطلع　(د) مطلعِ ثانی

(v) ''جوئے خوں'' کا مطلب ہے:

(الف) خون کا دریا　(ب) خون کی ندی　(ج) خون کا رنگ　(د) فشارِ خون

۳۔ اس غزل کے قافیوں اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

۴۔ درج ذیل تراکیب کا مفہوم واضح کریں:

نقش ونگار، طاقِ نسیاں، دیوارِ زنداں، جُوئے خوں، ماہِ کنعاں

۵۔ مرزا غالبؔ کی بلند خیالی اور شاعرانہ اسلوب پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور بتائیں کہ خاص و عام میں ان کی مقبولیت کا راز کیا ہے؟

www.ilmkidunya.com

۶۔ غالب کی ایک اور غزل کا شعر ہے:

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در ، در و دیوار

اس شعر کو فہم کے ساتھ پڑھیں اور بتائیں کہ زیرِ مطالعہ غزل کے مقطع اور اس شعر میں کیا کچھ مشترک ہے؟

صنعتِ حسنِ تعلیل: جب کلام میں کسی امر کی حقیقی وجہ اور علّت کو چھوڑ کر شاعر کوئی خیالی یا شاعرانہ وجہ بیان کرے تو اس صنعت کو ''حسنِ تعلیل'' کہتے ہیں۔ مثلاً غلام ہمدانی مصحفیؔ کا شعر ہے:

آخر کو ہو کے لالہ اُگا نوبہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا

۷۔ زیرِ مطالعہ غزل کے مطلع کی تشریح اسی صنعت کی روشنی میں کریں۔

۸۔ زیرِ مطالعہ غزل کا پانچواں شعر زندگی کی حکمتوں اور صداقتوں کو سمیٹے ہوئے ہے، اس کی تشریح کریں اور غالبؔ کی ایک اور غزل کے اس شعر کو بھی شامل کریں:

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

www.ilmkidunya.com

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- ☆ مرزا غالبؔ کی شخصیت، دہلی کی تہذیب اور ان کے کلام کو فلموں اور ڈراموں میں شان دار طریقے سے پیش کیا گیا ہے، آپ ٹی۔وی سیریل ''مرزا غالب'' دیکھیں۔
- ☆ مرزا غالبؔ کے حوالے سے بنے ہوئے کسی ڈرامے کو ملاحظہ کریں اور اس پر تبصرہ کریں۔
- ☆ انٹرنیٹ سے مختلف گلوکاروں کی گائی ہوئی غزلیاتِ غالبؔ سنیں اور کوئی غزل خود بھی ترنم میں تیار کر کے اپنی کلاس میں سنائیں۔

برائے اساتذہ کرام:

- ☆ سبق کے آغاز میں مرزا غالبؔ کی شخصیت، عہد اور ان کے فلسفیانہ اندازِ فکر پر مختصر روشنی ڈالیں۔
- ☆ شعری اصطلاحات اور غالبؔ کی غزل کے فنی محاسن پر گفت گو کریں۔
- ☆ طلبہ سے تنقیدی نوعیت کے سوالات کریں۔
- ☆ ہر شعر کی علیحدہ تشریح کریں، خاص طور پر مطلع کے مرکزی خیال کو نمایاں کریں۔

علّامہ محمد اقبالؒ

(۱۸۷۷ء ۔ ۱۹۳۸ء)

نام محمد اقبال اور تخلص بھی اقبالؔ ہی تھا۔ اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام نور محمد تھا۔ اقبالؒ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز قدیم طرز پر ایک دینی مکتب میں ہوا۔ میٹرک کا امتحان نمایاں حیثیت میں پاس کرنے کے بعد وہ مَرے کالج سیال کوٹ میں داخل ہوگئے جہاں انھوں نے مولوی میر حسن جیسے فاضل استاد سے فیض حاصل کیا۔ ایف۔ اے کرنے کے بعد وہ لاہور چلے آئے اور مزید تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج، لاہور میں داخل ہوگئے۔ یہاں انھیں سر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ جیسے خلیق استاد سے رہ نمائی حاصل کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ یہیں سے علامہ اقبالؒ نے فلسفے میں ایم۔ اے کیا اور کچھ عرصے کے لیے اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج، لاہور میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۰۵ء میں علم کی لذّت اقبالؒ کو یورپ لے گئی۔ قیامِ یورپ کے دوران میں اُنھوں نے کیمبرج یونیورسٹی، انگلستان سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کی اور جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ''فلسفۂ ایران میں مابعد الطبعیات کا ارتقا'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری لی۔ ۱۹۰۸ء میں وہ وطن لوٹ آئے اور اپنی شاعری کے ذریعے سے ملک و قوم کی اصلاح کا کام لینے لگے۔

۱۹۲۲ء میں اقبالؒ کو سرکارِ برطانیہ کی طرف سے ''سر'' کا خطاب ملا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو یہ عظیم شاعر اور فلسفی دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

علّامہ اقبالؒ قومی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ قومی رہ نما اور عظیم مفکر بھی تھے۔ اُنھوں نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں پُرسوز اور دل گداز شاعری کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا تھا، مگر جلد ہی اُن کی طبیعت نظم گوئی کی طرف مائل ہوگئی۔ اُنھوں نے متعدد نظمیں لکھ کر قوم کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس میں جہانِ تازہ کی جستجو کا جذبہ بھی اُبھارا۔ اقبال نے اُردو نظم کو فن اور موضوع کے اعتبار سے جو وسعت عطا کی وہ انھی کا حصّہ ہے۔ اُنھوں نے اپنی فکر اور مشاہدہ سے اردو شاعری کو لازوال عظمت و رفعت سے ہم کنار کیا۔ اقبالؒ بلاشبہ اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے سب سے بڑے علَم بردار تھے۔

اقبالؒ کی شعری تصانیف میں بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، پیامِ مشرق اور ارمغانِ حجاز وغیرہ بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

سبق: ۲۰

غزل

تدریسی مقاصد:

- ☆ طلبہ کو اعلیٰ مقاصد، مسلسل جدوجہد اور زندگی میں آگے بڑھنے کے تصور سے روشناس کرانا
- ☆ فلسفۂ خودی کو سمجھانا اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا
- ☆ طلبہ میں خوداعتمادی، عالی حوصلگی اور مثبت سوچ پیدا کرنا
- ☆ طلبہ کو زیرِ مطالعہ غزل کے معانی، مفاہیم اور مطالب سے روشناس کرنا

www.ilmkidunya.com

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تُو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں
یہاں اب مِرے رازداں اور بھی ہیں

(بالِ جبریل)

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) علّامہ اقبالؔ نے عشق کی رسائی اور اس کے سفر کے بارے میں کیا کہا ہے؟

(ب) شاہین کا کام کیا ہے اور اس کی منزل کون سی ہے؟

(ج) کیا عالمِ رنگ و بو پر قناعت کر لینا ٹھیک ہے؟

(د) ایک نشیمن کے کھو جانے پر کیا ردِ عمل ہونا چاہیے؟

(ہ) روز و شب اور زمان و مکاں کے بارے میں اقبال کا کیا خیال ہے؟

(و) علّامہ اقبالؒ نے اپنی فکری تنہائی کے بارے میں کیا کہا ہے؟

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) عشق میں بہت سے ہوتے ہیں:

(الف) مرحلے (ب) موڑ (ج) امتحان (د) دشمن

(ii) ''تہی'' کا مطلب ہے:

(الف) بھرا ہوا (ب) خالی (ج) بھرپور (د) خوب صورت

(iii) مطلع کے دونوں مصرعے لازمی ہوتے ہیں:

(الف) ہم قافیہ (ب) ہم ردیف (ج) ہم معنی (د) الف اور ب دونوں

(iv) ''اور بھی ہیں'' اس غزل میں ہے:

(الف) قافیہ (ب) مطلع (ج) ردیف (د) مقطع

(v) ''عالمِ رنگ و بُو'' پر نہیں ہونی چاہیے:

(الف) ہمّت (ب) جرأت (ج) قناعت (د) راحت

۴۔ اس غزل کی روشنی میں اقبال کے تصورِ حرکت و عمل اور فلسفۂ جُہدِ مسلسل پر اظہارِ رائے کریں۔

www.ilmkidunya.com

۵۔ زیرِ مطالعہ غزل کے پہلے دو اشعار فہم کے ساتھ پڑھیں اور ان کی تشریح کرتے ہوئے اقبال کے درج ذیل اشعار کو پیشِ نظر رکھیں:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صُبح و شام پیدا کر

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

۳۔ درج ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

عشق	امتحان	تہی	کارواں	قناعت	چمن
آشیاں	نشیمن	فغاں	شاہیں	پرواز	انجمن

۶۔ علّامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی پر اظہار رائے کریں اور ان کے اشعار سے مثالیں بھی دیں۔

۷۔ زیرِ مطالعہ غزل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی غزل گوئی کے نمایاں پہلو بیان کریں۔

۸۔ فنی اور فکری پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

۹۔ علّامہ اقبال اتحادِ امتِ مسلمہ کے بہت بڑے داعی تھے۔ مسئلۂ کشمیر اور اُمّتِ مسلمہ کو درپیش ایسے دیگر مسائل کے حل کے لیے اتحاد بین المسلمین کی اہمیت اقبال کے اشعار کی روشنی میں واضح کریں۔

۱۰۔ علّامہ اقبال کے درج ذیل اشعار غور سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

لَوح بھی تُو ، قلم بھی تُو ، تیرا وجود الکتاب
گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب ، میرا سجود بھی حجاب

www.ilmkidunya.com

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو ، عشق حُضور و اِضطراب

سوالات:

(i) یہ اشعار کس ہستی کی شان میں کہے گئے ہیں؟

(ii) لوح و قلم کے بارے میں مذہبی روایت کیا ہے؟

(iii) عبادت اور بندگی کے لیے کون سا جذبہ ضروری ہے؟

(iv) زندگی میں عقل اور عشق کا کیا عمل دخل ہے؟

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ کلامِ اقبالؒ کا مطالعہ کریں اور ایسے اشعار تلاش کریں جن میں انھوں نے ''شاہین'' کا استعارہ استعمال کیا ہے۔

☆ علامہ اقبالؒ کی کسی نظم (مثلاً: ابلیس کی مجلسِ شوریٰ وغیرہ) کی ڈرامائی تشکیل کریں۔

☆ کلامِ اقبالؒ ترنّم سے پڑھنے کا مقابلہ منعقد کیا جائے۔

www.ilmkidunya.com

برائے اساتذہ کرام:

☆ سبق کے آغاز میں علّامہ محمد اقبالؒ کی شخصیت، فکر اور ان کے پیغام (خصوصاً نوجوانوں کے لیے) پر روشنی ڈالیں۔

☆ غزل کو پُر جوش اور مترنم انداز میں پڑھیں تا کہ اس کا ولولہ انگیز آہنگ واضح ہو اور پھر طلبہ سے بھی غزل پڑھوائیں۔

☆ طلبہ سے کہیں کہ وہ چند اشعار کی اپنے الفاظ میں تشریح لکھیں۔

☆ طلبہ کو ترغیب دیں کہ وہ اس غزل کے پیغام کو اپنی عملی زندگی میں اپنائیں۔

اداؔ جعفری

(۱۹۲۴ء-۲۰۱۵ء)

اداؔ جعفری کا اصل نام عزیز جہاں ہے۔ وہ بدایوں (ہندوستان) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا نام مولوی بدرالحسن تھا، جو ان کی کم سنی ہی میں وفات پا گئے۔ ادا جعفری کی تعلیم و تربیت ننھیال میں ہوئی، جہاں علمی و تہذیبی ماحول نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر کتب کے مطالعے اور تخلیقی مشاغل میں بھی گہری دلچسپی لی۔

اداؔ جعفری نے محض تیرہ برس کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا میں وہ "اداؔ بدایونی" کے نام سے شعر کہتی رہیں۔ ۱۹۴۷ء میں نورالحسن جعفری سے شادی کے بعد "ادا جعفری" کے نام سے شناخت حاصل کی۔ ان کی شاعری میں غزل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی، لطافت، فکری سنجیدگی اور نسائی وقار نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کی غزلیں ان کی زندگی میں ہی قبولیتِ عامہ کا درجہ حاصل کر چکی تھیں۔ خاص طور پر "ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے" ایسی غزل ہے جسے بہت شہرت ملی۔ اس غزل کو استاد امانت علی خان نے اپنی دل کش آواز میں گا کر امر کر دیا۔ اسی طرح، ایک اور غزل "یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں" نے ادا جعفری کو عوامی سطح پر بھی بے پناہ مقبولیت عطا کی۔

اہم تصانیف:

ادا جعفری کے نمایاں شعری مجموعوں میں "میں ساز ڈھونڈتی رہی"، "شہر درد"، "حرفِ شناسائی"، "غزالاں تم تو واقف ہو"، "سفر باقی ہے" اور "سازِ سخن بہانہ ہے" شامل ہیں۔ ان کی کلیات "موسم موسم" کے عنوان سے منصۂ شہود پہ آئی۔ خودنوشت سوانح عمری "جو رہی سو بے خبری رہی" کے نام سے شائع ہوئی جو اردو نثر کا اہم شاہ کار سمجھی جاتی ہے۔

حکومتِ پاکستان کی طرف سے اداؔ جعفری کو تمغائے امتیاز، ہلالِ امتیاز اور دیگر ادبی اعزازات حاصل ہوئے۔ ان کے ایک شعری مجموعے "شہر درد" پر انھیں آدم جی ادبی ایوارڈ بھی دیا گیا۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۲۱

غزل

تدریسی مقاصد:

- ☆ غزل کے سادہ، شگفتہ اور اثر انگیز اسلوب کی تحسین کرنا
- ☆ سماجیات، تنقید اور لوگوں کے رویوّں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- ☆ طلبہ کو ادا جعفری کی غزل کے نسائی لب و لہجے سے آشنا کرنا
- ☆ شعری خوبیوں اور شعری حُسن سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا

www.ilmkidunya.com

یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بُجھے ہیں نہ جلے ہیں

نازک تھے کہیں رنگِ گل و بوئے سمن سے
جذبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے
ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

جب تیرے تصور نے جلائی نہیں شمعیں
لمحات وہی اپنے دل و جاں پہ کھلے ہیں

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم گردشِ دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

(شہردرد)

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) شاعرہ نے مطلع میں کس بات پر فخر کا اظہار کیا ہے؟

(ب) دل کے کنول اور چراغوں میں کیا تعلق ہے؟

(ج) ''ہنگامِ سحر'' سے کیا مراد ہے؟

(د) کڑی دھوپ برداشت کرنے والوں کے ساتھ کیا ہوا؟

(ہ) شاعرہ نے گردشِ دوراں سے کیا چال چلی ہے؟

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) ازل سے چراغوں کا مقدر ہے:

(الف) بجھنا (ب) جلنا (ج) پگھلنا (د) چمکنا

(ii) غزل کے پہلے مصرعے میں صنعت استعمال ہوئی ہے:

(الف) تضاد (ب) تکرار (ج) رعایتِ لفظی (د) مبالغہ

(iii) رنگِ گل و بوئے سمن سے زیادہ نازک تھے:

(الف) آداب (ب) خیالات (ج) جذبات (د) احساسات

(iv) سرِ شام ڈوب گئے:

(الف) ستارے (ب) خورشید (ج) چراغ (د) چاند

(v) ''چال چلنا'' ہے:

(الف) روزمرّہ (ب) تشبیہ (ج) محاورہ (د) استعارہ

www.ilmkidunya.com

۳۔ اس غزل کی ردیف اور قوافی کی نشان دہی کریں۔

۴۔ زیرِ مطالعہ غزل کا درج ذیل شعر پڑھیں اور بتائیں کہ ''کھلنا، کُھلنا اور کِھلنا'' میں کیا فرق ہے اور اس شعر میں کون سا لفظ استعمال ہوا ہے؟

جب تیرے تصور نے جلائی نہیں شمعیں　　　لمحات وہی اپنے دل و جاں پہ کھلے ہیں

۵۔ زیرِ مطالعہ غزل میں صنعتِ تضاد، صنعتِ کنایہ، رعایتِ لفظی اور صنعتِ مراعات النظیر وغیرہ کی نشان دہی کریں۔

۶۔ ادؔا جعفری نے کہا ہے:

نازک تھے کہیں رنگِ گُل و بُوئے سمن سے　　　جذبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

ذیل میں دیے گئے اشعار غور سے پڑھ کر بتائیں کہ ان کا آپس میں کیا فکری اور معنوی تعلق بنتا ہے:

دور بیٹھا غبارِ میرؔ اُن سے　　　عشق بن یہ ادب نہیں آتا　(میر تقی میر)

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم　　　انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو　(میر انیس)

۷۔ روزمرّہ کی پابندی اور محاورات کا ماہرانہ اور خوب صورت استعمال شاعری کا حسن بڑھانے کا سبب بنتا ہے اور ہر طرح کی تحریر اور نظم و نثر کا وقار بلند کرتا ہے۔ درج ذیل محاورات کو جملوں میں استعمال کریں:

دل بجھنا	دام میں آنا	دکان بڑھانا	طوطی بولنا	لوہا ماننا	آنکھ لگنا
ہاتھ ملنا	آسمان گرنا	گُل کھلنا	آنکھیں کھلنا	ہوا دینا	ہاتھ کاٹنا

۸۔ ادؔا جعفری کی زیرِ مطالعہ غزل میں شمع بجھنے اور شمع جلنے کا ذکر ہوا ہے۔ آپ نے سال اوّل میں احمد فرازؔ کا یہ شعر پڑھا تھا:

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا　　　اپنے حصّے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

شمع کے حوالے سے مختلف شاعروں کے مزید اشعار سنائیں اور ان پر تبصرہ بھی کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ یا لائبریری سے ادؔا جعفری کا مجموعۂ کلام حاصل کریں، اس کا بغور مطالعہ کریں اور نسائی ادب میں ادؔا جعفری کی حیثیت پر اپنی رائے دیں۔

☆ ''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ'' کے موضوع پر ایک مباحثے کا اہتمام کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ ادؔا جعفری کی شخصیت، ان کے ادبی مقام اور پاکستانی شاعرات میں ان کے کردار پر مختصر روشنی ڈالیں۔

☆ غزل کو دل نشین انداز میں پڑھیں اور طلبہ سے بھی پڑھوائیں۔

☆ غزل کی ادبی خصوصیات یعنی سادگیِ بیان، برجستگی، جذبے کی سچائی، نسائی احساس اور انفرادیت پر گفت گو کریں۔

☆ طلبہ کو مختلف شعری صنعتوں کی شناخت اور ان کا استحسانی نقطۂ نظر سے استعمال سکھائیں۔

www.ilmkidunya.com

محسن احسان
(۱۹۳۲ء۔ ۲۰۱۰ء)

www.ilmkidunya.com

محسن احسان کا اصل نام احسان الٰہی تھا۔ وہ پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور ہی میں حاصل کی۔ بعد ازاں انگریزی ادبیات میں ایم اے کیا اور اسلامیہ کالج پشاور کے شعبہ انگریزی میں تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ شان دار تدریسی خدمات اور اعلیٰ ادبی ذوق کی بدولت بہت جلد انھیں ادبی حلقوں میں خاص اہمیّت حاصل ہوگئی۔

محسن احسان بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے، تاہم انھوں نے نظم، نعت، قومی شاعری اور بچوں کے ادب میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان کا شعری مزاج تہذیبی شائستگی سے عبارت ہے۔ ان کی شاعری میں انسانی رشتوں کی نزاکت، وطن سے محبت، روحانی وابستگی اور فکری سنجیدگی کا امتزاج ملتا ہے۔ وہ روایت سے وابستہ رہتے ہوئے جدید شعور کو بھی اپنے اشعار میں سمو لیتے ہیں۔ جذبے کی صداقت اور اظہار کی شفافیت کے باعث ان کا کلام عام قارئین اور سنجیدہ ادبی حلقوں میں یکساں طور پر مقبول ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

محسن احسان کے شعری مجموعوں میں؛ ''اجمل و اکمل'' (نعتیہ کلام)، ''ناتمام''، ''ناگزیر''، ''ناشنیدہ''، ''نارسیدہ''، ''سخن سخن مہتاب''، ''مٹی کی مہکار'' (قومی نظموں کا مجموعہ) اور ''پھول پھول چہرے'' (بچوں کی شاعری کا مجموعہ) شامل ہیں۔

محسن احسان نے پشتو کے عظیم شعرا؛ خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے کلام کے اردو تراجم بھی کیے، جو ان کی لسانی مہارت اور ادبی وسعت کا ثبوت ہیں۔ ان کی شان دار ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے انھیں صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی سے نوازا۔

سبق: ۲۲

غزل

تدریسی مقاصد:

- ☆ غزل کے مترنم آہنگ، دِل نشیں اسلوب اور لطیف اظہار کو محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- ☆ مشکل الفاظ، تراکیب (مثلاً: نشاط، وصال، مہ و سال، چشم پوشی وغیرہ) اور استعارات کو سمجھنا
- ☆ اشعار کی تشریح، تجزیہ اور اپنے اِحساسات کے اظہار کی صلاحیت پیدا کرنا

وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے، جو نشاطِ شامِ وصال دے
جو پلک جھپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے

مجھے شوق سیرِ سما نہیں، میں اسیرِ حرص و ہَوا نہیں
مَیں قفس میں عمر گزار دوں وہ ضمانتِ پر و بال دے

مِرا غم شناس کوئی تو ہو ، مِرے آس پاس کوئی تو ہو
مِرے حرف کو جو خلوص دے، مِرے لفظ کو جو کمال دے

تجھے زعمِ خود نگری سہی، مجھے فخرِ قربِ حبیب ہے
مَیں ہوں عکس عکس میں جلوہ گر، مجھے آئینوں سے نکال دے

وہی تیرگی کی روایتیں، وہی ظلمتوں کی حکایتیں
تو وکیلِ صبحِ حیات ہے ، کوئی روشنی کی مثال دے

نہ ہے چاہ منصب و جاہ کی، نہ ہوس ہے تخت و کلاہ کی
میں غریب ہوں تو غیور رکھ، مجھے صرف رزقِ حلال دے

ہے دُعائے محسنِ بے نوا کہ نگارِ شعر کو ہو عطا
وہ چمک جو تابشِ مہر دے، وہ مہک جو نافِ غزال دے

(ناگزیر)

www.ilmkidunya.com

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

(الف) شاعر کس قسم کے خواب چاہتا ہے اور کس طرح کے مہ و سال کی خواہش رکھتا ہے؟

(ب) ضمانتِ پر و بال ملنے پر شاعر کہاں عمر گزارنے پر تیار ہے؟

(ج) شاعر کو کس طرح کے غم شناس کی تلاش ہے؟

(د) شاعر نے وکیلِ صبحِ حیات سے کیا تقاضا کیا ہے؟

(ہ) زیرِ مطالعہ غزل کے مقطع میں کیا دعا مانگی گئی ہے؟

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) ''سیرِ سما'' سے مراد ہے:

(الف) صبح کی سیر (ب) دریا کی سیر (ج) آسمانوں کی سیر (د) پہاڑوں کی سیر

(ii) شاعر کو فخر ہے:

(الف) قربِ حبیب پر (ب) قربِ طبیب پر (ج) قربِ نجیب پر (د) قربِ نقیب پر

(iii) شاعر کو ہوس نہیں ہے:

(الف) منصب و جاہ کی (ب) تخت و کلاہ کی (ج) قربتِ شاہ کی (د) مہر و ماہ کی

(iv) اس غزل کی ردیف ہے:

(الف) خواب (ب) وصال (ج) دے (د) دعا

(v) شاعر نکلنا چاہتا ہے:

(الف) آئینوں سے (ب) محفلوں سے (ج) خیالوں سے (د) خوابوں سے

۳۔ زیرِ مطالعہ غزل میں استعمال ہونے والی تراکیب کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معانی واضح ہو جائیں۔

۴۔ زیرِ مطالعہ غزل کے قافیوں کی فہرست بنائیں۔

۵۔ مرزا غالبؔ کے درج ذیل شعر کی روشنی میں ''نافِ زمیں'' اور ''نافِ غزال'' کے فرق کی وضاحت کریں:

مُشکیں لباسِ کعبہ علیؑ کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

www.ilmkidunya.com

۶۔ محسن احسان کی اس غزل میں کن معاشرتی رویوں کی کشمکش بیان ہوئی ہے؟

۷۔ اس مادہ پرستی کے زمانے میں بھی کچھ پاکیزہ فکر کے انسان ماڈی خواہشات سے آزاد ہیں، غزل کے مختلف اشعار کی روشنی میں اظہار خیال کریں۔

۸۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیں:

حرف، حبیب، روایتیں، حکایتیں، وکیل، منصب

۹۔ فکری اور فنی محاسن کی وضاحت کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

مرا غم شناس کوئی تو ہو، مرے آس پاس کوئی تو ہو
مرے حرف کو جو خلوص دے، مرے لفظ کو جو کمال دے
تجھے زعم خود نگری سہی، مجھے فخرِ قربِ حبیب ہے
میں ہوں عکس عکس میں جلوہ گر، مجھے آئینوں سے نکال دے

۱۰۔ محسن احسان کی اس غزل میں مصرعوں میں بھی اندرونی قافیوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ایسے مصرعوں کی نشان دہی کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ آج ہمارا معاشرہ موبائل فون، انٹرنیٹ اور سماجی رابطے کے جدید ذرائع کے طوفان کی زَد میں ہے اور بہت سی معاشرتی خرابیاں اسی وجہ سے پھیل رہی ہیں۔اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ''سوشل میڈیا کے آداب'' کے موضوع پر ایک مذاکرے کا اہتمام کیا جائے۔

☆ ''بیت بازی'' کا مقابلہ منعقد کیا جائے۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ سبق کے آغاز میں محسن احسان کی شخصیت اور ان کے رومانوی اور لطیف جذبات پر مختصر روشنی ڈالیں۔

☆ طلبہ کو مرّدف اور غیر مرّدف غزل کا فرق سمجھائیں۔

☆ غزل میں مطلع، مطلعِ ثانی اور مقطع کی شناخت کے اُصول سکھائیں۔

www.ilmkidunya.com

فرہنگ

www.ilmkidunya.com

فرہنگ

(بہ لحاظ الف بائی ترتیب)

فرہنگ میں الفاظ کے بالعموم وہی معانی دیے ہیں جو متن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

۱۔ حمد

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حرم	احترام کے لائق، محترم، مکے مدینے اور ان کے گرداگرد کے چند میل کا علاقہ حرم کہلاتا ہے	صفا و مروہ	دو پہاڑیوں کے نام ہیں جو مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ کے نواح میں ہیں
حطیمِ کعبہ	خانۂ کعبہ کے شمال کی طرف ایک دیوار ہے جس کو قربان گاہ کہتے ہیں	میزابِ رحمت	خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب پرنالہ
سنگِ اسود	وہ سیاہ پتھر جو خانۂ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے۔ جنّت سے آیا ہوا پتھر جسے رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے بوسہ دیا		

۲۔ نعت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اِذن	اجازت، حکم	جواد	سخی، بہت بخشش کرنے والا
جُز	سوائے، علاوہ	خیرالامم	امتوں میں بہترین ہستی مراد آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم
جادۂ رحمت	رحمت کا راستہ	مِدحت	تعریف و توصیف

۳۔ ہجرتِ حبشہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اُسقُف	پادری، مسیحی دینی پیشوا	قرابت دار	رشتے دار، قریبی عزیز
پاک دامن	پارسا، نیک سیرت	قضیہ	مقدمہ، فیصلہ
تہمت لگانا	الزام لگانا	قلق	رنج، غم، بے چینی، افسوس
شمع دان	وہ ظرف جس میں موم بتی لگا کر روشن کرتے ہیں	قلمرَو	سلطنت، ملک، ریاست

www.ilmkidunya.com

صحیفہ	چھوٹی کتاب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی رسول پر اتاری گئی ہو	مدّعا	مقصد، مطلب
عالی نسبی	اعلیٰ خاندان کا ہونا	مردار	ناپاک، حرام، مردہ جانور
عِتاب	ناراضی، غصہ	ہدیہ	تحفہ، نذرانہ
عمائدین	معززینِ شہر، بڑے بزرگ		
فواحش	بُرائیاں		

۴ ماں جی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اُڑتی اُڑتی خبر پہنچنا	افواہ سننا، غیر مصدقہ خبر	رُعب گانٹھنا	دھاک بٹھانا، خوف پیدا کرنا
بَر ڈھونڈنا	شادی کے لیے مناسب جوڑ تلاش کرنا	رغبت	شوق، میلان
باقی ماندہ	بچا ہوا، بقیہ	سرگرداں رکھنا	پریشان اور بھٹکائے رکھنا
بہی کھاتہ	حساب کتاب کا رجسٹر	طوطی بولنا	دھوم ہونا، خوب چرچا ہونا
بھاگوان	خوش قسمت	قضا و قدر	تقدیر، اللہ کا لکھا ہوا فیصلہ
پاپیادہ	پیدل	مرغوب	پسندیدہ، دل پسند
ٹکا سا جواب	صاف جواب دینا	مصرف	خرچ، استعمال
چشم و چراغ	عزیز، فرزند، بہت پیارا	مفلوک الحال	نہایت غریب، تنگ دست
حاجت روائی	ضرورت پوری کرنا، کام آنا	ناک کی سیدھ میں چلنا	سیدھا چلنا، بغیر اِدھر اُدھر دیکھے آگے بڑھنا

۵۔ کافی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
استصوابِ رائے	رائے طلب کرنا، مشورہ لینا	عاقبت نااندیشی	انجام کی پروا نہ کرنا
اشیائے خورونوش	کھانے پینے کی چیزیں	عداوت	دشمنی
انسداد	روک تھام، بندش	عطائی	بے سند طبیب، غیر مستند معالج
بعینہٖ	جوں کا توں، بالکل اسی طرح	عقدِ ثانی	دوسرا نکاح، دوسری شادی

www.ilmkidunya.com

بنابریں	اس بنا پر، لہٰذا	قوتِ شامہ	سونگھنے کی حس
بھینی بھینی مہک	ہلکی ہلکی خوش بُو	قوام	گاڑھا پن، شیرے جیسی کیفیت
پتّا مارنا	خوف زدہ کرنا، ہمّت توڑ دینا	کج بحثی	خواہ مخواہ کی بحث
تفکرات	فکریں، پریشانیاں	کشید کرنا	کھینچنا، نچوڑنا، سُوتنا، عرق نکالنا
تلخیِ کام و دہن	ناکامی اور کڑواہٹ کا احساس	کھرچن	برتن کے کنارے یا تہہ میں لگی ہوئی باقیات
چراغ پا ہونا	بہت غصے میں آجانا	گرہستی	گھریلو زندگی، خانہ داری
چرائتہ	ایک نہایت کڑوی دوا/ جڑی بوٹی	ماکولات	کھانے کی چیزیں
چوانا	چبوانا	محمول ٹھہرانا	کسی بات کو کسی پر منسوب کرنا، ذمہ دار قرار دینا
تبسّم	ہلکی مسکراہٹ	مردم آزار	لوگوں کو تکلیف دینے والا
دمِ نزع	موت کا آخری وقت	مشرب	مزاج، طبیعت، فکری رجحان
دُھنگار	دھنگارنے کا عمل، بگھار، تڑکا	معیوب	عیب دار، برا سمجھا جانے والا
راقم السطور	یہ سطور لکھنے والا	مفرح	خوشی پیدا کرنے والا، دل بہلانے والا
رفعِ شر	شر کو دور کرنا، بلا ٹالنا	منطق	دلیل اور استدلال کا علم
سریع التاثیر	جلد اثر کرنے والا	مؤخر الذکر	بعد میں ذکر کیا گیا
سوندھی سوندھی خوش بُو	مٹی جیسی خوش گوار مہک	موقوف	بند، ملتوی، رکا ہوا
صریحاً	صاف صاف، کھلے لفظوں میں	نفسِ امارہ	انسان کا وہ نفس جو برائی پر آمادہ کرے

۶۔ رستم و سہراب

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آنی	فوری، اسی لمحے کا	ناشاد	غمگین، افسردہ
اجل	موت، مقررہ وقتِ وفات	نقارہ	ایک بڑا باجا/ ڈھول
زال و رودابہ	شاہ نامہ کے مشہور کردار؛ زال ایک ہیرو اور رودابہ اس کی محبوبہ/ زوجہ	نہاں	پوشیدہ، چھپا ہوا
فانی	ناپائیدار، ختم ہوجانے والا	ہیٹے	نیچے، کمتر درجے پر
فغاں	آہ وزاری، چیخ پکار		

www.ilmkidunya.com

۷۔ محشر

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اِعراف	جنّت اور دوزخ کے درمیان کی جگہ؛ قرآن کی ایک سورت کا نام بھی ہے	ستانا	تھکن دور کرنے کے لیے کچھ دیر آرام کرنا
اِستدعا کرنا	درخواست کرنا، التجا کرنا	شرابور ہونا	پوری طرح بھیگ جانا
بغض	دشمنی، کینہ	صُور	قیامت کے دن پھونکا جانے والا نرسنگا
چٹیل میدان	بالکل صاف، بے درخت اور ہموار میدان	عناد	ضد، ہٹ دھرمی، دشمنی
خیر مقدم کرنا	خوش آمدید کہنا، استقبال کرنا	غیر متحد	ایک نہ ہونے والا، منتشر
دریافت کیا	معلوم کیا، پوچھا	گوش گزار کرنا	کسی کے کان میں بات ڈالنا، آگاہ کرنا

۸۔ مینار

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آبنائے	دو سمندروں کو ملانے والی تنگ آبی گزرگاہ	ہم سَر	برابر، ہم پلہ
اختراع	نئی چیز ایجاد کرنا	سدِ سکندری	روایت کے مطابق وہ دیوار جو سکندرِ اعظم سے منسوب ہے
افکارِ نو	نئے خیالات	سدِ یاجوج	وہ رکاوٹ جو یاجوج ماجوج کے راستے میں بیان کی جاتی ہے
اہرامِ مصر	مصر کے قدیم عظیم اہرام	سنجاف	کپڑے یا پردے کے کنارے پر لگائی جانے والی گوٹ یا حاشیہ
بازنطینی	رومیوں کی شرقی شہنشاہی	سنگلاخ	پتھریلا، سخت زمین والا
بحث و تمحیص	غور و فکر کے ساتھ بحث، چھان بین	عمود وار	سیدھا، ستون کی طرح عمودی
بُرج	بلند عمارت یا مینار	زرِ مبادلہ	ایک ملک کی وہ کرنسی جو بین الاقوامی لین دین میں استعمال ہو
بیضوی	انڈے کی شکل کا	نقب لگنا	دیوار یا زمین میں سوراخ کر کے راستہ بنانا
تعلقِ خاطر	دلی لگاؤ، قلبی وابستگی	شیون	رونا پیٹنا، ماتم
تقابل	موازنہ، مقابلہ	قصرِ فریدوں	بادشاہ فریدون کا محل

www.ilmkidunya.com

جلوہ گہِ جبرئیلؑ	حضرت جبرئیلؑ کے ظہور کی جگہ	اورنگ نشیں	تخت پر بیٹھنے والا، حکمران
جلیل	بزرگ، عظیم الشان	برشگال	سخت بارش یا ژالہ باری
جہانِ نو	نئی دنیا	گریۂ عاشق	عاشق کا رونا
چلمن	باریک پردہ، جالی دار پردہ	مانندِ گل	پھول کی مانند، پھول جیسا
خواہشِ قلبی	دلی خواہش	خاک ریز	مٹی کا ڈھیر یا مورچا
روکار	کام کاج، کاروباری کارروائی	شہ نشین	کمرے کا اونچا اور نمایاں حصہ جہاں معزز شخص بیٹھے
سرفرازی	عزت، کامیابی، سربلندی	جفاکشی	سختی یا مشقت برداشت کرنا
سنگ وخشت	پتھر اور اینٹ؛ عمارت سازی کا سامان	منقطع ہونا	ٹوٹ جانا، ختم ہو جانا
عجائبِ عالم	دنیا کے حیرت انگیز عجائبات	تخفیف	کمی، ہلکا کرنا
عہدِ وفا	وفاداری کا اقرار، وعدے کا پورا کرنا	سبکسارانِ ساحل	ساحل پر سبک بار یا بے فکر لوگ
فرضِ منصبی	عہدے کا فرض، منصب سے متعلق ذمہ داری	بادہ کش	شراب پینے والا
فصیل	شہر یا قلعے کے گرد بلند دیوار	مضر	غیر مفید، نقصان پہنچانے والا
فنِ حرب	جنگ کا فن، جنگی مہارت	عرشہ	جہاز کا اوپری حصہ
کوتاہ قامت	چھوٹے قد والا		
مجلسِ تعمیر	تعمیر و مرمت سے متعلق کمیٹی		
منعکس کرنا	عکس ڈالنا، ظاہر کرنا		
نشانِ خیر	بھلائی کی علامت		

۹۔ سیر دوسرے درویش کی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آوے	آئے	طمع	لالچ
اتالیق	شہزادوں یا امیروں کا استاد و مربی	قبلہ گاہ	محترم بزرگ، والد
اولوالعزم	بڑے حوصلے اور پختہ ارادے والے	قرق کرنا	گھیر لینا، مخصوص کر لینا
باگھ	شیر	قطع کرنا	طے کرنا، ختم کرنا
بعید	دور	قیافہ	شکل وصورت، حلیہ دیکھ کر اندازہ لگا لینا

www.ilmkidunya.com

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بل بے	اللہ رے، افوہ رے، واہ وا، شاباش، بلے بلے	کاہے کو	کیوں، کس لیے
پیزاریں پڑنا	جوتیاں پڑنا، ذلیل ہونا	کرّوبیاں	فرشتے، نوری مخلوق
ترت	فوراً	کسب	روزگار، کمائی
تفاوت	فرق	کواکب	ستارے، کوکب کی جمع
تقصیر	کوتاہی، قصور	لا دوا	لاعلاج
تواریخ داں	تاریخ جاننے والا، مورّخ	مدعی	دعویٰ کرنے والا، فریق
نئیں	نہیں	مذکور	بیان کیا ہوا، مذکورہ
ٹک	ذرا، تھوڑا سا	مردمی	انسانیت، مروّت، بہادری
ٹنڈیاں کسنا	آستینیں چڑھانا، تیار ہونا	مروّت	لحاظ، حسنِ سلوک
جامہ	لباس	مصاحب دانا	عقل مند ساتھی
جہاں دیدہ	تجربہ کار، دنیا دیکھا ہوا	مفصل	تفصیل والا، تفصیلی
جیبھ	زبان	منادی کرنا	اعلان کرنا
چارزانو	ادب سے گھٹنوں کے بل بیٹھنا	میرِ عمارت	تعمیرات کا نگران، معماروں کا سردار
دلق پوش	درویشانہ لباس پہننے والا	نپٹ	بالکل، سراسر
دادودہش	عطا و بخشش، سخاوت	نشست و برخاست	اٹھنا بیٹھنا، میل جول
دریغ کرنا	بخل کرنا، روک رکھنا	نوع	قسم، جنس
ڈیل	جسمانی ساخت	نیّرِ اعظم	سورج
سن	عمر	ہفت اقلیم	ساری دنیا
سرتاپا	سر سے پاؤں تک، مکمل طور پر	ہے گا	ہوگا، ہوا ہے
طاعت	فرمانبرداری		
طالع	قسمت، بخت		

۱۰ بہادر خاں کی سرگزشت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کاریز	زیرِ زمین پانی کی نالی	پالیز دان	پالیز کا رکھوالا، مالی
سیراب	پانی سے تر، آسودہ	پیچ و تاب کھانا	بل کھانا، بے قرار ہونا

www.ilmkidunya.com

بانٹ چونٹ کر کھانا	تھوڑا تھوڑا چن کر کھانا	روا پوشی	چشم پوشی، نظر انداز کرنا
خوشہ	بالی، گندم یا اناج کا گچھا	خس و خاشاک	تنکے، کوڑا کرکٹ
حریص	لالچی	خلاصی پانا	نجات پانا، چھٹکارا پانا
مزارعت	شرکت میں کاشت کرنے کا عمل، زراعت جو شراکت میں کی جائے	نیم شب	آدھی رات
ملفوف	لپٹا ہوا، ڈھکا ہوا	تومان/تمن	قبیلہ، خاندان
والہانہ	شوق و محبت سے، دیوانہ وار	لیت و لعل کرنا	ٹال مٹول کرنا
کھلیان	فصل جمع کرنے کی جگہ	مکڑے مکڑے	آہستہ آہستہ، چپکے چپکے
مبادا	کہیں ایسا نہ ہو	دائمی	ہمیشہ رہنے والا
قزاق	ڈاکو، لٹیرا	قبر شق ہونا	قبر کا پھٹ جانا
سیال	رشتے دار، قرابت دار	منشا	ارادہ، مطلب
چلم کشوک	حقہ پینے والا	سحر	جادو
پیش بینی	پہلے سے اندازہ، پیشین گوئی		
پالیز	کھیت، باغ، کاشت کرنے کی جگہ		

۱۱۔ حکیم احسن اللہ خان

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اَدھر میں چھوڑنا	بیچ میں چھوڑ دینا	ظلِ سبحانی	بادشاہ کے لیے تعظیمی لقب
آماجگاہ	نشانہ بننے کی جگہ، میدان	عطار	دوا فروش، خوشبو فروش
استخفافانہ برتاوا	حقارت کا سلوک	فرستادہ	بھیجا ہوا شخص، قاصد
اشراق کی نماز	سورج نکلنے کے بعد پڑھی جانے والی نماز	کارگاہیں	کام کرنے کی جگہیں
اہل اللہ	اللہ والے، نیک لوگ	کان کاٹنا	بہت چالاک ہونا، مات دینا
ایک ہی درانتی سے فصل کٹنا	سب کا ایک ساتھ فنا ہونا	کرم گستری	مہربانی کرنا
برچھپت	پوشیدہ، چھپا ہوا	کہار	پالکی اٹھانے والا

www.ilmkidunya.com

بل تو اپنا ہی بل نہیں تو جاوے جل	طاقت نہ ہو تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے	گرہ پڑنا	مشکل پیدا ہونا، عقدہ پڑنا
بہی خواہ	بھلا چاہنے والا	لاجورد	نیلا قیمتی پتھر
بھاگڑ	بھگدڑ، بہت سے لوگوں کا گھبرا کر ایک دوسرے سے پہلے بھاگنے کا فعل	متانت	سنجیدگی
پرخاش	جھگڑا، ناراضی	محتویات	اندر کی چیزیں، مندرجات
پہلوتہی کرنا	کنارہ کشی کرنا، بچ نکلنا	مراسلت	خط و کتابت
تخلیہ	تنہائی	مستزاد	زیادہ، اضافہ شدہ
جفت فروش	جوتا بیچنے والا	معاندت	دشمنی، مخالفت
چنندہ	چننے والا	مقطع مسجع	ایسا نثری یا شعری ٹکڑا جس کے فقروں کے آخر میں ہم آواز الفاظ ہوں
چوبدار	عصا یا لاٹھی بردار درباری خدمت گار	مگس ران	مکھی ہانکنے والا؛ مجازاً خدمت گار
چوبی تخت پوش	لکڑی کا تخت یا اس پر بچھا ہوا کپڑا	من حیث المجموع	مجموعی طور پر، کل ملا کر
حزم و تمکین	سنجیدگی اور وقار	منغص	ناگوار بنانے والا، رنجیدہ
خاصہ تناول فرمانا	کھانا تناول فرمانا	موجبِ ملال	رنج یا افسوس کا سبب
داب	عادت، طریقہ، شان و شوکت	نوبت خانہ	وہ جگہ جہاں شاہی نقارے بجتے ہوں
درانہ	جرأت مندانہ	ورم	سوجن
درشتی	سختی، کرختگی	ہوادار	بادشاہ یا ملکہ کا تخت جس پر بیٹھ کر وہ سیر کو نکلتے تھے اور جسے کہار اُٹھاتے تھے
رعونت	گھمنڈ، تکبر		
زدوکوب کرنا	مار پیٹ کرنا		
سرکہ جبیں	ترش رو، تیوریاں چڑھانے والا		
سعد میمون	مبارک ساعت		
سِنِ وقوف	سمجھ بوجھ کی عمر		
شُرفا و صلحا	معزز اور نیک لوگ		

www.ilmkidunya.com

شُقہ	کپڑے کا ٹکڑا، لمبا پارچہ	صندلی	صندل کی لکڑی یا اس کی کرسی

۱۲۔ نظریۂ پاکستان

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
الحاد	بے دینی، مذہبی عقیدے سے انکار	سنگھٹن	ہندوؤں کی ایک فرقہ وارانہ تحریک جس کا آغاز ۱۹۲۲ء میں ہوا تھا۔
چھوت چھات	ذات پات کی بنیاد پر میل جول کی پابندی	شدھی	ہندو مذہب میں دوبارہ داخل کرنے کی رسم
رواداری	برداشت، تحمل، دوسروں کو قبول کرنے کا وصف	عملِ پیہم	مسلسل کوشش
زک پہنچانا	اذیت دینا، ستانا	مفاہمت	باہمی سمجھوتا، اتفاق

۱۳۔ انسانِ کامل کی برکات

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آشتی	صلح، میل ملاپ	صدق و یقیں	سچائی اور پختہ یقین
بے زر	بے مال، غریب	عرفان	پہچان، معرفت، روحانی آگہی
جلوہ آرا	نمایاں، ظاہر ہونے والا، زینت بخش	فرِ تاجداری	شاہانہ جاہ و جلال
حشمت	رعب، جلال، شان و شوکت	کمالِ بندگی	عبادت اور فرمانبرداری کی انتہا
حق نیوشی	حق بات سننا اور قبول کرنا	لبِ گفتار	بولنے کے قریب، زبان پر آیا ہوا
زائد	زیادہ، اضافی	معراج	بلندی کا اعلیٰ مقام، عروج
سرورِ کونینؐ	دونوں جہانوں کے سردار	نگاہِ عرشیاں	فرشتوں یا آسمانی مخلوق کی نظر

۱۴۔ داستان تیاری میں باغ کی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آتشِ گل	پھول کی سی سرخی جو شعلے سے مشابہ ہوتی ہے	گلِ اشرفی	اشرفی کے مانند زرد اور قیمتی پھول
پارچہ	کپڑے کا ٹکڑا	گل کاریاں	پھولوں کے نقش و نگار، پھولوں کی آرائش
پائے ہوس	خواہش کا قدم، لالچ کی بنیاد	مغرق	ڈوبا ہوا، پوری طرح غرق یا بھرا ہوا
چقیں	بانس کے پردے	مہتاب دار	چاندنی سے روشن

www.ilmkidunya.com

چوگُنا	چار گنا	نرگس	ایک خوشبودار پھول؛ مجازاً خوبصورت آنکھ
رشک سے داغ ہونا	حسد سے دل جلنا	یاسمن	چنبیلی کا پھول
زربفت	سونے کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا	خانہ باغ	پائیں باغ
زرنگار	سونے سے آراستہ، سنہری نقش و نگار والا	دست بستہ	ادب سے ہاتھ باندھے ہوئے
سرائیان	سرائے والے، مسافر خانے کے لوگ		
شہ	بادشاہ		
صندل	خوشبودار لکڑی، چندن		

۱۵۔ نثار میں تری گلیوں کے۔۔۔

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اوج	بلندی، عروج	طالع	قسمت، بخت
اہلِ ہوس	حرص و ہوس کے مارے لوگ	فراق	جدائی
اہلِ جنوں	عشق یا دیوانگی والے لوگ	گردشِ لیل و نہار	دن رات کا بدلتے رہنا، زمانے کی گردش
بست و کشاد	بندش اور کشادگی، تنگی اور فراخی	مدعی	دعویٰ کرنے والا، مخالف
بہم ہونا	اکٹھا ہونا، جمع ہونا	مقیّد	پابند، قید میں
خدائی	خدا کی صفت، ربوبیت	منصف	انصاف کرنے والا
دستِ بہانہ جو	ظلم کرنے کے بہانے تلاش کرنا	نام لیوا	ذکر کرنے والا، پیروکار
رقیب	حریف، مخالف، محبت میں مدِ مقابل	نثار	قربان کرنا، وار دینا
روزنِ زنداں	قید خانے کی کھڑکی یا سوراخ	نظر چرانا	سامنے آنے سے بچنا، آنکھ بچانا
سگ	کتا		
سلاسل	زنجیریں		
سنگ و خشت	پتھر اور اینٹ		

۱۶۔ نئی نسل کا نوحہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بھید پانا	راز جان لینا	حواسِ خمسہ	پانچ حواس (دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا، چھونا)

www.ilmkidunya.com

جنسِ کمال	کمال کی اعلیٰ ترین صفت	کہنہ	پرانا، قدیم
چھب دکھانا	حسن یا خوبصورتی ظاہر کرنا		

۱۷۔ میں روزے سے ہوں

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بہرِ زیارت	دیدار کی خاطر، بار بار دیکھنے کی خواہش	کرب	سخت دکھ، بے چینی
تار دینا	برباد کرنا، تہس نہس کرنا	گفتار	بات، کلام
تکرار	بار بار کہنا، دہرانا	لحن	اندازِ بیان، آواز کا اتار چڑھاؤ
دمچی	پشت کا پچھلا حصہ		

۱۸۔ غزل: خواجہ میر درد

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جگ	دنیا، عالم، جہان	مسیحائی	شفا دینے کی صفت اور صلاحیت
زاری	رونا دھونا	نالہ	فریاد، آہ، درد بھری پکار
قصہ مختصر	بات کا خلاصہ		

www.ilmkidunya.com

۱۹۔ غزل: مرزا اسد اللہ غالبؔ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بزم آرائیاں	محفل سجانا	شام فراق	جدائی کی شام
پنہاں	چھپا ہوا، پوشیدہ	طاقِ نسیاں	بھلا دینا، فراموشی کے سپرد کر دینا
جوئے خوں	خون کی ندی، بہت زیادہ خون بہنا	فروزاں ہونا	چمک اٹھنا، روشن ہو جانا
خوگر	عادی	لالہ وگل	پھول، حُسن وخوب صورتی کی علامت
روزنِ دیوارِ زنداں	قید خانے کی دیوار میں چھوٹا سا روشن دان	محوِ ماہِ کنعاں	کنعان کے چاند (حضرت یوسفؑ) کے حُسن میں کھو جانا
زنانِ مصر	مصر کی عورتیں (حضرت یوسفؑ کے قصے کی طرف اشارہ)		

۲۰۔ غزل: علامہ محمد اقبالؒ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آشیاں	گھونسلا، رہنے کی جگہ	شاہین	ایک بلند پرواز شکاری پرندہ
انجمن	مجلس، جماعت	عالمِ رنگ و بو	رنگ اور خوشبو کی دنیا
تہی	خالی، جو بھرا ہوا نہ ہو	قناعت	تھوڑے پر راضی رہنا
چمن	باغ	مقاماتِ آہ وفغاں	رنج وغم کے مقام، فریاد کی جگہیں
زمان ومکاں	وقت اور جگہ، دنیا کی حدود	نشیمن	بسیرا، رہائش کی جگہ، گھونسلا

۲۱۔ غزل: ادا جعفری

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بُوئے سمن	چنبیلی (یاسمین) کی خوشبو	رنگِ گُل	پھول کا رنگ، مراد خوب صورتی اور تازگی
تیور	چہرے کے تاثرات	کھلنا	ناگوار ہونا
جھیل جانا	برداشت کر لینا، صبر سے سہہ لینا	گردشِ دوراں	زمانے کے نشیب وفراز، مراد مشکلات کا شکار ہونا
خنک	ٹھنڈا، خوش گوار		

۲۲۔ غزل: محسن احسان

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اسیر	قیدی	غیور	غیرت مند، خود دار
پروبال	پَر اور بازو، اڑنے کی قوت یا صلاحیت	قفس	پنجرہ، قید خانہ
تابشِ مہر	سورج کی روشنی یا چمک	منصب وجاہ	عہدہ اور مرتبہ
تخت وکلاہ	بادشاہت، مراد طاقت اور حکومت	نافِ غزال	مشک (ہرن کی ناف سے حاصل ہونے والی خوشبو)
حرص وہوا	لالچ اور خواہشاتِ نفس	نشاط	خوشی، مسرت
خودنگری	خود پسندی، اپنی ذات میں مگن رہنا	نگارِ شعر	شاعری کا محبوب یا حسین تصور، شعر کی خوب صورتی
سیرِ سما	آسمان کی سیر، بلندیوں کی طرف پرواز	وصال	ملاپ، ملن

www.ilmkidunya.com

سوال3: پیراگراف کی تشریح مع سیاق وسباق اور حوالۂ متن — کل نمبر:15

کل دس(10) نثری اسباق میں سے، پہلے پانچ (5) اسباق (ہجرتِ حبشہ، ماں جی، کافی، رستم وسہراب، محشر) اور آخری پانچ (5) اسباق (مینار، سیر دوسرے درویش کی، بہادر خان کی سرگزشت، حکیم احسن اللہ خان، نظریۂ پاکستان) میں سے ایک ایک پیراگراف تشریح کے لیے دیا جائے۔ طلبہ دو(2) میں سے کسی ایک پیراگراف کی تشریح کریں گے۔

نمبروں کی تقسیم مصنف کا نام: 01 نمبر، سبق کا عنوان: 01 نمبر، سیاق وسباق: 03 نمبر، تشریح: 10 نمبر (کل نمبر 15)

سوال4: نثری سبق کا خلاصہ — کل نمبر:10

نصاب میں شامل کل دس (10) نثری اسباق میں سے، پہلے پانچ (5) اسباق (ہجرتِ حبشہ، ماں جی، کافی، رستم وسہراب، محشر) اور آخری پانچ (5) اسباق (مینار، سیر دوسرے درویش کی، بہادر خان کی سرگزشت، حکیم احسن اللہ خان، نظریۂ پاکستان) میں سے ایک ایک سبق منتخب کیا جائے۔ دیے گئے دو(2) اسباق میں سے کسی ایک سبق کا خلاصہ درکار ہے۔

نمبروں کی تقسیم مصنف کا نام: 01 نمبر سبق کا خلاصہ: 09 نمبر (کل نمبر 10)

سوال5: نظم کا خلاصہ یا مرکزی خیال — کل نمبر:05

نصاب میں شامل کل سات (7) نظموں میں سے پہلی چار(4) نظموں (حمد، نعت، اِنسان کامل کی برکات، نئی نسل کا نوحہ) میں سے ایک نظم اور آخری تین (3) نظموں (نثار میں تری گلیوں کے۔۔۔، داستان تیاری میں باغ کی، میں روزے سے ہوں) میں سے ایک نظم منتخب کی جائے۔ دی گئیں دو(2) نظموں میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ یا مرکزی خیال پوچھا جائے۔

نمبروں کی تقسیم شاعر کا نام: 01 نمبر نظم کا خلاصہ یا مرکزی خیال: 04 نمبر (کل نمبر 5)

سوال6: مضمون نویسی — کل نمبر:20

پیکٹا کی اُردو قواعد وانشا (ص146 تا192) میں شامل (نمونہ، مجوزہ) مضامین میں سے کوئی تین عنوانات کا اِنتخاب کیا جائے۔ نمونے کے مضامین میں سے دو(2) جبکہ مجوزہ مضامین میں سے ایک (1) عنوان منتخب کیا جائے۔ طلبہ ان تین عنوانات میں سے کسی ایک پر مضمون لکھیں گے۔

سوال7: مکتوب نگاری یا آپ بیتی — کل نمبر:10

طلبہ کو دیے گئے خط اور آپ بیتی میں سے کوئی ایک تحریر کرنے کی ہدایت کریں۔ (خط بمطابق پیکٹا کی اُردو قواعد انشا ص79 تا89 اور آپ بیتی بمطابق پیکٹا کی اُردو قواعد انشا ص114 تا128)

نمبروں کی تقسیم برائے خط (مکتوب نگاری)

طرزِ تخاطب: 1 نمبر، تاریخِ تحریر: 1 نمبر، القاب وآداب: 1 نمبر، نفسِ مضمون: 6 نمبر، مکتوب نگار کا نام وپتا: 1 نمبر (کل نمبر 10)

www.ilmkidunya.com

اُردو (لازمی) | معروضی طرز | ماڈل پیپر (سال دوم) | وقت: 20 منٹ | کل نمبر: 20

سوال 1: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A، B، C اور D دیے گئے ہیں۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔ (20=20 x 1)

نمبر شمار	سوالات	(A)	(B)	(C)	(D)
i	بہادر خان کی خودداری کی وجہ تھی:	سماجی آزادی	معاشی آزادی	مذہبی آزادی	کوئی نہیں
ii	مسلمانوں نے ہجرت کی مکہ مکرمہ سے:	عراق کی طرف	حبشہ کی طرف	یمن کی طرف	شام کی طرف
iii	نانا جی نے بقرعید پر ماں جی کو عیدی دی:	گیارہ پیسے	بارہ پیسے	دو آنے	تین آنے
iv	مصنف کو کافی میں بُو آتی ہے:	نسوار کی	چائے کی	سگریٹ کی	سگار کی
v	سہراب کی موت کا سبب تھا:	رستم کی تلوار	پہچان نہ ہونا	سازش	بیماری

مطابقت اور حروف کے صحیح استعمال کو مدِنظر رکھتے ہوئے درست جواب منتخب کیجیے:

نمبر شمار	سوالات	(A)	(B)	(C)	(D)
vi	وہ گھوڑا گاڑی کس۔۔۔۔۔ ہے؟	کا	کی	کے	کو
vii	روزنامہ جنگ دل چسپی سے۔۔۔۔۔	پڑھی جاتی ہے	پڑھا جاتا ہے	پڑھی جاتی ہیں	پڑھے جاتے ہیں
viii	۔۔۔۔ مجھے بخار تھا، اس لیے کالج نہ آسکا:	اگر	مگر	چوں کہ	اگرچہ
ix	اس نے میرا قلم ہی نہیں چُرایا۔۔۔۔ جھوٹ بھی بولا:	لیکن	کیوں کہ	جب کہ	بلکہ
x	اس کا گھر بار، دکانیں اور زمین سب کچھ۔۔۔۔۔	بِک گیا	بِک گئے	بِک گئیں	بِک گئی

امدادی افعال کے اصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے، درست جواب منتخب کیجیے:

نمبر شمار	سوالات	(A)	(B)	(C)	(D)
xi	جُملہ معترضہ کے آغاز اور آخر میں علامت لگائی جاتی ہے:	“ ”	!	/	( )
xii	مختصر ترین ٹھہراؤ کو کہتے ہیں:	وقفہ	سکتہ	رابطہ	ختمہ
xiii	جذبے کے اِظہار کے لیے علامت استعمال کی جاتی ہے:	،	؟	!	( )
xiv	قوسین کی علامت ہے:	“ ”	( )	!	؟
xv	رموزِ اوقاف دراصل ہیں:	واقعات	علامات	الفاظ	حکایات

امدادی افعال کے اصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے، درست جواب منتخب کیجیے:

نمبر شمار	امدادی فعل	(A)	(B)	(C)	(D)
xvi	چاہنا	اس نے وہی کیا جو چاہا۔	کھانا آیا چاہتا ہے۔	مجھے انصاف چاہیے۔	آپ چاہتے کیا ہیں؟
xvii	ڈالنا	اس نے ڈول پانی میں ڈالا۔	دودھ بالٹی میں ڈال دو۔	پھول کی پتیاں ڈالتے جاؤ۔	جو دل میں ہے ابھی سے کہ ڈالو۔
xviii	چکنا	اس کا حساب چکا دو۔	مَیں خط لکھ چکا ہوں۔	دہی کو ذرا چکھنا۔	ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات
xix	ہونا	تم عجیب آدمی ہو۔	تم کہاں ہو؟	سب خاموش ہو جائیں۔	یہ تمام واقعہ میرا اپنا ہوا ہے۔
xx	رہنا	وُہ یہاں رہتا ہے۔	تم کہاں رہ گئے؟	وُہ کہاں رہا؟	وہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے۔

www.ilmkidunya.com

اُردو (لازمی)　انشائی طرز　ماڈل پیپر (سالِ دوم)　وقت: 2:40 گھنٹے　کل نمبر: 80

سوال 2: (الف) درج ذیل نظمیہ اجزا میں سے کسی ایک جُز کی آسان تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے۔ (10=1+1+8)

جو اُن کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں　　زمانے اُن کو کبھی محترم نہیں کرتے
میّسر آتی ہے جن کو دُرُود کی توفیق　　کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

یا

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خَلق　　نہ اُن کی رسم نئی ہے نہ اپنی رِیت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول　　نہ اُن کی ہار نئی ہے نہ اپنی جِیت نئی

(ب) درج ذیل غزلیہ اجزا میں سے کسی ایک جز کے اشعار کی الگ الگ تشریح کیجیے۔ شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے: (10=1+3+3+3)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　ابھی عشق کے اِمتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں　　یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر　　چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

یا

یہ فخر تو حاصل ہے ، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں　　دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں
جب تیرے تصور نے جلائی نہیں شمعیں　　لمحات وہی اپنے دل و جاں پہ کُھلے ہیں
اک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں　　ہم گردشِ دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

سوال 3: سیاق وسباق کے حوالے سے کسی ایک جز کی تشریح کیجیے۔ مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی لکھیے: (15=1+1+3+10)

(الف) کافی امریکا کا قومی مشروب ہے۔ میں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ امریکی کلچر کافی کے زور سے پھیلا یا کافی کلچر کے زور سے رائج ہوئی۔ یہ بعینہٖ ایسا سوال ہے جیسے کوئی بے ادب یہ پوچھ بیٹھے کہ ''غبارِ خاطر'' چائے کی وجہ سے مقبول ہوئی یا چائے ''غبارِ خاطر'' کے باعث؟ ایک صاحب نے مجھے لاجواب کرنے کی خاطر یہ دلیل پیش کی، امریکا میں تو کافی اس قدر عام ہے کہ جیل میں بھی پلائی جاتی ہے۔ عرض کیا کہ جب خود قیدی اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہمیں کیا پڑی کہ وکالت کریں۔

(ب) میں نے ایک اور روشن مینار بھی دیکھا ہے۔ پہلے تو یہ میرے ذہن میں نقشے پر لگے ہوئے ایک نقطے کی صورت میں محفوظ رہا اور پھر ایک دن آنکھیں جھپکیں تو وہ نقطہ مینار بن چکا تھا۔ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو سائبیریا سے لنکا تک خشکی نظر آتی ہے۔ لنکا کے جزیرے کی شکل نقشے میں دیکھی تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو۔ اس جزیرے کی جنوبی حد ہمارے نقشے میں زمین کی آخری حد تھی۔ سکول کے طالب علم نے سوچا کہ خشکی کی اس حدِ آخر پر کھڑا ہو کر اگر

www.ilmkidunya.com

یہ کہیں کہ ایشیا میرے قدموں میں سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ بات جغرافیے کی رُو سے درست اور تاریخ کی رُو سے نادرست ہوگی۔

سوال 4: کسی ایک نثری سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے: (10=1+9)

(الف) ماں جی

(ب) سیر دوسرے درویش کی

سوال 5: کسی ایک نظم کا خلاصہ یا مرکزی خیال لکھیے اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے: (5=1+4)

(الف) اِنسانِ کامل کی برکات

(ب) نئی نسل کا نوحہ

سوال 6: درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) پاکستان چین اقتصادی راہداری

(ب) تعمیرِ وطن میں طلبہ کا کردار

(ج) قدرتی آفات

سوال 7: چچا جان کے نام خط لکھیں جس میں تحفہ ملنے پر شکریہ ادا کیا گیا ہو۔ (10)

یا

ایک پھول کی آپ بیتی تحریر کیجیے۔

www.ilmkidunya.com